مکمل ناول

مہوش افتخار

ٹھکروں سے ادھر

"زائر کا فون تھا' تین دن بعد کی سیٹس کنفرم ہوئی ہیں ان کی۔" ڈائننگ ٹیبل پہ اپنی مخصوص نشست سنبھالتے ہوئے تایا ابا نے' بنا کسی کو مخاطب کیے' سب ہی کو مطلع کیا تو سوائے ایک شخص کے۔

اس اہم ترین اطلاع پہ یک لخت ہی وسیع و عریض میز کے گرد بیٹھے افراد کے چہرے کھل اٹھے۔ آن واحد میں ماحول میں خوشگوار سی ہلچل مچ گئی۔ جس پہ ایک تھکی تھکی سی نگاہ ڈالتے ہوئے رشنا نے اپنے بکھرتے اعصاب اور سنسناتے دماغ پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اگلے ہی پل اس کوشش میں ناکامی نے اس کی آنکھیں نم کر ڈالی تھیں۔ جنہیں سب سے چھپانے کی خاطر وہ بے اختیار پلکیں جھکا گئی تھی۔

"روشی بیٹا! کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟" خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رشنا کو چھوٹی امی نے نظر پڑنے پر حیرت سے دیکھتے ہوئے ٹوکا' تو وہ ایک نظر اپنے سامنے رکھی خالی پلیٹ اور دوسری بھری ہوئی میز پر ڈال کر رہ گئی۔

یک لخت بھوک پیاس سمیت ہر احساس اسے اپنے اندر سے مٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ مگر خود کو مزید سوالات سے بچانے کی خاطر وہ ناچاہتے ہوئے بھی تھوڑے سے چاول اپنی پلیٹ میں نکالنے پر مجبور ہو گئی۔ کچھ دیر وہ انہیں دیکھتی رہی۔ پھر بنا ایک بھی لقمہ اٹھائے وہ اگلے دس منٹ کے اندر اپنے کمرے میں موجود تھی۔ کمرے میں جاتے ہی ہمت' حو ضبط ہر چیز جیسے باہر دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ریسیور ہاتھ سے رکھتے ہوئے وہ دھیرے دھ چلتا اپنے آفس کی کھڑکی میں آکھڑا ہوا تھا۔ جہاں اردگرد نظر آتی بلند و بالا شاندار عمارتیں اور نیچے ش سڑک پہ بھاگتی دوڑتی ہنگامہ خیز زندگی معمول کا پیش کر رہی تھی۔ مگر نہ جانے کیوں چار سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی یہ منظر اس کے ل ہی اجنبی اور پرایا تھا' جتنا کہ پہلے روز محسوس ہوا تھا۔

بوجھل سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے اس اپنی نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ اور غور سے کچھ فا موجود پارک میں لگے اونچے اونچے سرخ' زرد اور ن پتوں سے ڈھکے درختوں کو تکنے لگا تھا۔ جن خوبصورتی وہ واحد شے تھی جس نے اس اجنبی م میں ہمیشہ اس کے دل و نظر کو مسحور کرتے ہو اپنائیت کا احساس بخشا تھا۔ مگر آج اس خوبصو منظر میں بھی اسے کوئی کشش' کوئی رعنائی محسو ہو رہی تھی۔ جب ہی کچھ ہی لمحے انہیں بے نگاہوں سے تکنے کے بعد وہ اکتا کر' وسیع گلاس کے دوسری جانب دھری' آرام دہ لیدر چیئر پہ آکر گیا۔

کل اس آفس میں اس کا آخری دن تھا۔ اور ٹھیک دو دن بعد اسے اس اجنبی دیس کی پرائی اور سرد فضاؤں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر ان فضاؤں کی جانب پرواز کر جانا تھا' جو اپنے اندر ماں کی آغوش سی نرمی اور گرمی سموئے ہوئے تھیں۔ اور جنہیں اپنے وجود کے گرد' ایک بار پھر' محسوس کرنے کے لیے وہ شاید اس پل سے ہی بے چین ہو اٹھا تھا' جس پل انہیں خیر آباد کہا تھا۔ یا شاید یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ وہ تو انہیں چھوڑنے کے حق میں کبھی تھا ہی نہیں۔

جلاوطنی کی یہ سزا تو اس کی خود ساختہ تھی۔ جو اس نے اپنے "اندر" سے گھبرا کر' اپنے بھرم اور فیصلے کو بچانے کے لیے خود کو دی تھی۔ یہ اور بات کہ گزرتے وقت نے اسے پل پل یہ احساس باخوبی دلایا تھا کہ جگہیں بدل لینے سے "اندر" نہیں بدلا کرتے۔ مگر شاید چار سال پیشتر وقت اور حالات کے تقاضے کے ساتھ ساتھ اس کی بھلائی اس ہی میں تھی کہ وہ کہیں دور کوچ کر جاتا۔

اور آج چار سال بعد شاید اس کی بکھرتی زندگی کی بھلائی ایک بار پھر اس ہی میں تھی کہ وہ دوبارہ سے اپنے اصل کی جانب لوٹ جاتا۔ اس جگہ کی جانب جسے چھوڑتے اور جس کی جانب پلٹتے ہوئے اگر کوئی احساس اسے مضطرب کیے ہوئے تھا' کوئی خیال' کوئی نام اس کے پاؤں کی زنجیر تھا' تو وہ تھا رشنا ظہیر کا احساس' اس کا خیال اور اس کا نام۔ جس سے زائر منصور کا بڑا ہی عجیب اور دوہرا رشتہ تھا۔

وہ بیک وقت اس کی دشمن بھی تھی اور دشمنِ جاں بھی! لیکن اس نے باضابطہ اور اعلانیہ طور پہ ہمیشہ اس سے صرف اور صرف پہلا رشتہ ہی نبھایا تھا۔ جبکہ دوسرے خاموش رشتے کے تو محض تین گواہ تھے۔ زائر منصور کا دل' رشنا ظہیر کی ذات اور وہ ساحر لمحہ جس نے اس کی اٹھائیس سالہ بے معنی نفرت کو ایک جھٹکے سے اس کے اندر سے اکھاڑ پھینکتے ہوئے دل کے تمام تر اختیارات بنا اس کی اجازت کے' ہمیشہ کے لیے کسی اور کو سونپ ڈالے تھے۔ اور وہ احتجاج کے نام پر "اف" بھی نہ کر سکا تھا۔

پھر اس بدلے ہوئے اندر کو سب سے چھپانے کی خاطر اس نے بہت سے پاپڑ بیلے' اور اپنی اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہا' مگر جس سے چھپانا مقصود تھا' فقط اس سے نہ چھپا پایا۔

کشمکش اور تناؤ کی اس کیفیت کا اختتام بالآخر اس فیصلے پر ہوا' جو بظاہر تو اس نے بڑے اطمینان سے سنایا تھا' لیکن در حقیقت جس نے دل کی دنیا میں صف ماتم بچھا دی تھی۔ مگر روتے مچلتے اس دل کی اس نے چنداں پروانہ کی تھی۔ عزت نفس کے نام پر کیا گیا یہ فیصلہ اسے کسی طور پر مہنگا نہ لگا تھا۔ لیکن پھر اس کے بعد اس کا اپنے دل سے تعلق کبھی بحال نہ ہو سکا تھا۔

اپنی نئی زندگی کو پرانی الجھنوں اور نئی آزمائشوں سے بچانے کے لیے وہ ان تمام جھمیلوں سے جان چھڑا کر دور بہت دور چلا آیا تھا۔ مگر شاید قدرت کو اس کا یہ سکون اور اطمینان زیادہ بھایا نہ تھا۔ جب ہی تو حالات نے کچھ اس طرح سے اس کا امتحان لیا تھا کہ ناچاہتے ہوئے بھی اسے تھک کر واپسی کا یہ کڑا فیصلہ کرنا پڑا تھا' جو آنے والے دنوں میں اس کے لیے مزید کتنا بھاری پڑنے والا تھا' یہ اسے ابھی معلوم نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"زائر یار! تو عاصم کی طرف کب تک نکلے گا؟"

جھنجلایا ہوا فرحان لاؤنج میں داخل ہوا تو وہ ایک نظر اس کے بے زار چہرے اور دوسری وال کلاک پر ڈالتے ہوئے بولا۔

"ساڑھے پانچ بجے تک جاؤں گا۔ تجھے کوئی کام ہے کیا؟"

"مجھے کیا کام ہونا ہے یار۔ تو بس ان مصیبتوں کو جاتے ہوئے بازار تک ڈراپ کر دینا۔" دھپ سے صوفے پر اس کے برابر گرتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوتی ثنا کی جانب اشارہ کیا تو وہ اس خطاب پر بھنا اٹھی۔

"ایکسکیوزمی بھائی! یہ آپ نے مصیبتیں کے

کہا؟"

"تمہیں اور تمہاری چنڈال چوکڑی کو! اب جاؤ اور جا کر فٹافٹ تیاری پکڑو۔ زائر تم لوگوں کو مارکیٹ تک ڈراپ کر دے گا۔" کن انکھیوں سے زائر کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے از خود پروگرام ڈن کیا تو ثنا تیزی سے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ جبکہ زائر' فرحان کی اس درجہ "ہوشیاری" پہ اسے گھورنے لگا۔

"وائے آر یو اسکیرنگ می Dude!" لبوں پہ مچلتی شریر مسکراہٹ دبائے بظاہر بڑی معصومیت سے پوچھا گیا۔ تو نا چاہتے ہوئے بھی زائر مسکرا اٹھا۔

"تو ایک "ذلیل" چیز ہے!"

"درست فرمایا! آخر کار تیری محبت نے کوئی نہ کوئی رنگ تو دکھانا تھا!" ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے اس نے ایک بار پھر زائر کی ٹانگ کھینچی' تو وہ بے اختیار اسے پاس پڑا کشن رسید کرتا تیار ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

اپنے دھیان میں گم وہ بڑے مگن انداز میں رسٹ واچ بند کرتا پورچ میں داخل ہوا تھا۔ مگر جونہی اس کی نظر' اپنی گرے اکارڈ کے پاس کھڑی' ثنا' ایمی' ردا اور نادیہ سے باتیں کرتی' روشی پر پڑی۔ اس کے گنگناتے لب یکایک سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ بمشکل تمام خود کو کچھ کہنے سے باز رکھتے ہوئے اس نے خاموشی سے آگے بڑھ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

"روشی! تم آگے بیٹھ جاؤ۔" ان تینوں کے ساتھ ردا نے بھی پیچھے گھستے ہوئے باہر کھڑی رشنا کو مشورہ دیا تو وہ بری طرح گھبرا اٹھی۔

اپنی ذات سے زائر کی نفرت اور بے زاری اس سے کبھی بھی پوشیدہ نہ رہی تھی۔ سو جھجکتے ہوئے اس نے ایک نظر ونڈ اسکرین کے پار نگاہیں جمائے بیٹھے اپنے تایا زاد کے سرد تاثرات پر ڈالی اور دل میں اٹھتی ٹیسوں کو دبائے بظاہر نارمل لہجے میں بولی۔

"ردا! پلیز تم آگے بیٹھ جاؤ۔ مجھے نادیہ سے....."

"تمہیں نہ آگے بیٹھنے کی ضرورت ہے اور نہ پیچھے۔ تم اپنے ناقابل برداشت وجود کے ساتھ باہر ہی رہو تو بہتر ہے!" تیزی سے پلٹ کر اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ اپنی تیغ صفت نگاہوں اور نوکیلے الفاظ سے اسے اندر تک کاٹتا ہوا' ایک جھٹکے سے گاڑی نکال لے گیا۔ تو وہ کتنی ہی دیر سائیں سائیں کرتے وجود کے ساتھ عالم بے یقینی میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

اس حقیقت سے کہ اس کی ذات مقابل کے لیے باعثِ نفرت ہے' وہ آج سے نہیں بلکہ ہوش سنبھالتے ہی باخوبی واقف ہو چلی تھی۔ لیکن اپنی اس ذاتی پُرخاش اور نام نہاد عداوت میں وہ کسی تیسرے کا خیال کیے بنا کس حد تک جا کر اسے ذلیل کر سکتا ہے۔ اس بات کا اندازہ صحیح معنوں میں اسے آج ہوا تھا۔

چہرے پر پھیلتی نمی کا احساس کتنی ہی دیر بعد اس کے سن جسم میں حرکت کا باعث بنا تھا۔ جسے میکانکی انداز میں ہاتھ اٹھا کر صاف کرتے وہ دل میں اٹھتی درد کی تیز لہروں کو دبائے' من من بھر کے قدموں سے لان کے وسط میں رکھی چیئر پہ گر سی گئی تھی۔

زائر منصور' رشنا ظہیر سے اس درجہ نفرت کیوں کرتا تھا' وہ نہیں جانتی تھی۔ اور اس کی اتنی شدید نفرت کے باوجود وہ کیوں اسے بے حد چاہتی تھی۔ اس بات کا بھی اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ حالانکہ نفرت کے رد عمل میں نفرت اور محبت کے رد عمل میں محبت کا پیدا ہونا ایک فطری اصول ہے۔ پھر اس کے معاملے میں یہ قواعد و ضوابط کیونکر الٹے ہو چلے تھے' وہ

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
جو چلے تو جاں سے گزر گئے
ماہا ملک
قیمت ---- /150 روپے
منگوانے کا پتہ
عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔

یہ بھی نہیں جانتی تھی۔

بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے لے کر جوانی تک' زائر کا رویہ دیگر تمام کزنز کے ساتھ جتنا اچھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ اتنا ہی برا اور ہتک آمیز تھا۔ ہر ایک کے ساتھ ہنسنے ہنسانے والا' خوش اخلاق سا زائر' فقط ایک اس کے لیے کیوں زہر اگلنے لگتا تھا' یہ بات اس کے لیے ایک معمہ بن چلی تھی۔

بچپن میں تو ناسمجھی اور معصومیت کے باعث وہ زائر کی ہر زیادتی پر خوب گلا پھاڑ پھاڑ کر روتی اور چیختی چلاتی تھی' مگر جوں جوں وہ سمجھدار ہوتی گئی' اس کی آنکھیں' زائر کی ہر بدسلوکی پر برسنے کے بجائے' حیرت سے منجمد اور لب چیخنے چلانے کے بجائے اپنا قصور پوچھنے کو بے تاب ہونے لگے۔ مگر بھلا ہو اس ڈر اور جھجک کا جو زائر کے حوالے سے اس کے ننھے سے دل و دماغ میں کچھ اس مضبوطی سے جڑ پکڑ چکے تھے کہ وہ چاہ کر بھی حرف شکایت زباں پر لانے کی ہمت نہ کر پاتی۔

پھر جیسے جیسے وہ شعور کی منزلیں طے کرتی چلی گئی' اس کی آنکھوں میں منجمد حیران آنسو اور لبوں پر مچلتا "کیوں؟" اس کی ذات کے اندر ہی کہیں دم توڑ گیا۔ یا یوں کہہ لیں کہ زائر منصور کے ناروا سلوک سے رشنا ظہیر نے خاموش سمجھوتہ کرلیا۔ جس کے نتیجے میں وہ ناصرف اس سے کترانے لگی' بلکہ ایک ہی چھت تلے رہتے ہوئے اس حد تک اس سے گریز برتنے لگی کہ مہینوں' دونوں کے درمیان بات کرنے کی نوبت نہ آپاتی۔

اس کی اس روش نے جہاں تمام کزنز کے اس خیال پر کہ "زائر اور روشی کی ایک دوسرے سے قطعاً "نہیں بنتی!" تصدیق کی مہر ثبت کی تھی۔ وہیں زائر کے مزاج اور لہجے میں اس کے لیے مزید تلخی پیدا کر ڈالی تھی۔ ہمہ وقت لبوں پر مسکان سجائے' دھیمے نرم لہجے میں سب کے دکھ سکھ بانٹنے والی ہردلعزیز رشنا' زائر منصور کو ہر آن نظرانداز کرے' یہ حقیقت اگر ایک طرف زائر کی انا پہ کاری ضرب ثابت ہوئی تھی تو دوسری طرف پرانی عداوت کے الاؤ کو مزید روشن کرنے کا باعث بھی بنی تھی۔

ایک ایسی کمزور لڑکی جسے اس جیسے مضبوط مرد نے ساری زندگی درخور اعتنا نہ جانا تھا۔ یکایک اسے اگنور کرنے کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے' اپنے تئیں مقابلے پر اتر آئی تھی۔ یہ اس کے لیے ناقابل برداشت امر تھا۔ جس کا نتیجہ بالآخر رشنا کے وجود سے محسوس کی جانے والی نفرت اور چڑ میں اضافے کی صورت نکلا۔ اور جس کا وقتاً "فوقتاً" برملا اظہار وہ لازمی سمجھتا تھا۔ ہاں لیکن اظہار خیالات کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ اردگرد گھر کا کوئی بزرگ موجود نہ ہو۔ زائر منصور کا امیج' محض ایک فضول سی لڑکی کی وجہ سے بزرگوں کی نظر میں خراب ہوتا' یہ اسے قطعاً "منظور نہ تھا۔ اور یہ شاید اس کی اس ہی احتیاط اور مقابل کی زباں بندی کا نتیجہ تھا کہ خاندان کے بڑے اس کی اس ازلی دشمنی سے تاحال بے خبر تھے۔

دوسری جانب بچپن سے لے کر جوانی تک' لاشعوری طور پر ہی سہی' لیکن ہمہ وقت زائر اور اس کی بے جا عداوت کو اپنے حواسوں پر سوار کیے۔ کب رشنا دن کا بیشتر حصہ اسے سوچتے ہوئے گزارنے لگی' اسے پتا بھی نہ چلا۔ اور سوچوں کے اس گرداب میں سے کب محبت کسی خودرو بیل کی طرح تیزی سے اس کے ناتواں وجود کا احاطہ کرنے لگی' اسے اس چیز کا بھی احساس نہ ہوا۔ وہ تو جب ہر گزرتے دن کے ساتھ' دل کے گرد لپٹی اس امربیل کا حلقہ تنگ ہونے لگا' تب کہیں جاکر اسے ہوش آیا۔ عالم بے خودی میں وہ کس راہ پرُخار پر قدم رکھ چکی تھی۔ اس حقیقت کا احساس اسے تب ہوا تھا جب واپسی کا ہر راستہ بند ہو چلا تھا۔

آنے والے کتنے ہی دن اس نے اپنی زندگی کی اس فاش ترین غلطی پر روتے اور خود سے ڈھیروں عہد کرتے گزارے تھے۔ مگر ہر حربہ ناکام اور ہر تدبیر بے سود رہی تھی۔ محبت جیسے مضبوط جذبے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اس جیسی کمزور لڑکی کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ثابت ہوا تھا۔ اور اپنی ذات کی اس درجہ کمزوری نے اسے پہروں رلایا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے خود سے اور اپنے دل سے شدید نفرت اور گھن محسوس ہوئی تھی۔ جس نے اتنی آسانی سے زائر کا ہر برا سلوک' ہر ناروا رویہ فراموش کر ڈالا تھا۔

دل کی اس دھوکا دہی پہ دماغ نے تڑپ کر کتنی ہی بار اسے وہ نشتر سے بھی زیادہ نوکیلے الفاظ' خنجر سا کٹیلا لہجہ اور تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز انداز یاد دلایا تھا۔ مگر دل نے تو جیسے محبت کے آگے بے دام غلام بن کر ساری انا اور ساری خودداری ہی بیچ ڈالی تھی۔ محبت جیسے فضول جذبے کے حق میں اس کے پاس یکایک ڈھیروں دلائل آموجود ہوتے تھے۔ اور ہر دلیل پہلی سے اتنی زیادہ مضبوط کہ آخر کار تھک کر رشنا ظہیر کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔ ہاں لیکن اس سارے قصے میں عزتِ نفس وہ واحد چیز تھی جسے رشنا کے ساتھ ساتھ اس کا پاگل دل بھی کسی قیمت پر داؤ پہ لگانے کو تیار نہ تھا۔ یہ وہ اہم خزانہ تھا جس کو محبت کے نام پر بھی کھونے کا حوصلہ اس میں نہ تھا۔ سو جہاں ایک طرف اس نے بڑی خاموشی سے اپنے جذبات کے آگے ہار مانی تھی' وہیں دوسری طرف اپنے انمول جذبات کو بے مول ہونے سے بچانے کی خاطر اس نے خود سے ہمیشہ خاموش رہنے کا عہد کیا تھا۔

لیکن آج' ان چاروں کے سامنے' جو عزت افزائی زائر کے ہاتھوں اس کی ہوئی تھی۔ اس نے تو جیسے اسے اندر تک ادھیڑ ڈالا تھا۔ دکھ سے زیادہ' دکھ دینے والی ہستی کا احساس دل کے درد کو بڑھائے جارہا تھا۔ آنکھیں تھیں کہ کسی صورت تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

خود میں گم وہ نہ جانے مزید کتنی دیر یونہی آنسو بہاتی رہتی' اگر جو اچانک اس کی نظر گیٹ سے اندر داخل ہوتی ان چاروں پر نہ پڑتی۔ بے اختیار چہرہ جھکاتے ہوئے اس نے اپنے بہتے اشک صاف کر ڈالے تھے۔

"تم۔ تم لوگ؟" ان کے قریب آنے پر اس نے نم لہجے میں قدرے حیرت سے پوچھا' تو تینوں تاسف بھری اک نظر اس کی سوجی ہوئی آنکھوں اور سرخ

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

☆ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
☆ نئے بال اگاتا ہے۔
☆ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
☆ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
☆ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل

قیمت=/70 روپے

12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/70 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

1 بوتل کے لئے ---------- =/90 روپے
2 بوتلوں کے لئے ---------- =/160 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/240 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 2735021

چہرے پر اور دوسری نادم کھڑی ردا پر ڈال کر رہ گئیں۔

"آئی ایم رئیلی ویری سوری روشی! آج صرف میری بے وقوفی کی وجہ سے تمہیں بیٹھے بٹھائے زائر بھائی کے ہاتھوں اتنی انسلٹ اٹھانا پڑی۔ تم پلیز مجھے معاف کردو!" روشی کے مقابل دو زانو جھکتے ہوئے وہ شرمندگی سے چور لہجے میں بولی تھی۔

"پلیز ردا! جو کچھ بھی ہوا تم اس کے لیے خود کو قصوروار مت ٹھہراؤ۔" اس کی ذات کسی کے لیے اذیت کا باعث بنے یہ اس کے لیے خاصا تکلیف دہ امر تھا۔

"کیسے نہ ٹھہرائے۔ سب کچھ اس ہی کی وجہ سے تو ہوا ہے۔ جب اسے معلوم تھا کہ زائر تمہارا ازلی دشمن ہے تو اسے کیا ضرورت تھی الٹے سیدھے مشورے دینے کی۔" شعلہ بار نگاہوں سے ردا کو گھورتے ہوئے نادیہ نے نزدیکی چیئر سنبھالی تو امی اور ثنا تائیدی انداز میں سر ہلاتی نیچے بیٹھ گئیں۔ جبکہ لفظ "ازلی دشمن" پر درد کی ایک تیز لہر رشنا کو اپنی رگ و جاں میں اٹھتی محسوس ہوئی تھی۔

"جب ساری حقیقت سے واقف ہو تو پھر کیوں ردا کو موردِ الزام ٹھہراتی ہو۔" تلخ مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ آنکھوں کی نمی چھپانے کو پلکیں جھکا گئی تھی۔

"میری تو سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ زائر بھائی کو آخر تم سے کیا پرخاش ہے؟ وہ کیوں تمہیں برداشت نہیں کر سکتے؟ اتنے پڑھے لکھے، خوش مزاج اور خوش گفتار انسان کی شخصیت کا یہ دہرا روپ، وہ بھی صرف کسی ایک شخص کے لیے...؟ میری تو سمجھ سے بالاتر ہے یہ معمہ..." ثنا اک گہری سانس لیتے ہوئے بولی تھی۔

"جبکہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے زائر سے بدتمیزی تو دور کی بات، روشی نے تو کبھی پلٹ کر اس کی تلخ ترین بات کا بھی جواب نہیں دیا۔ بلکہ ہمارے لاکھ کہنے کے باوجود اس نے نہ تو خود کبھی بڑوں کو اس کے برے رویوں کی ہوا لگنے دی اور نہ ہی ہمیں کچھ بتانے دیا۔ اس سب کے باوجود مجال ہے جو کبھی زائر صاحب کو اپنے کیے پہ شرمندگی محسوس ہوئی ہو۔ الٹا ہمیشہ اتنا مس بی ہیو کرتا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کسی دن سب بڑوں کے سامنے ان موصوف کی دوغلی شخصیت کا راز فاش کرتے ہوئے ایسی طبیعت صاف کروں کہ محترم آئندہ زبان سے شعلے برسانا تو کیا بات تک کرنا بھول جائیں۔" غصے سے دانت پیستے ہوئے ایمن نے خیالوں ہی خیالوں میں زائر کی درگت بنائی تو اس کے انداز پہ نا چاہتے ہوئے بھی سب کو ہنسی آگئی۔

"خیر طبیعت تو موصوف کی تم نے تھوڑی دیر پیشتر بھی اچھی خاصی صاف کر ڈالی تھی۔" نادیہ نے مسکراتے لہجے میں کچھ دیر قبل گاڑی میں ہونے والے معرکے کا حوالہ دیا تو رشنا کا چہرہ اس نئی اطلاع پہ مزید پھیکا پڑ گیا۔

"اچھا یہ بتاؤ تم لوگ بنا شاپنگ کیے واپس کیوں چلی آئیں۔" رشنا نے خود پر سے ان لوگوں کا دھیان ہٹاتے ہوئے سوال کیا۔

"امی کی زائر بھائی سے ہونے والی گرما گرم بحث کے نتیجے میں انہوں نے ہم سب کو بھی کچھ زیادہ دیر برداشت نہیں کیا۔"

"کیا مطلب؟" رشنا نے الجھ کے چاروں کا جائزہ لیا۔

"مطلب یہ کہ تمہارے سامنے اتنی دیر سے جو ایمن صاحبہ تیس مار خان بنی بڑی بڑی باتیں بھگار رہی ہیں نا، انہوں نے ان محترمہ سمیت ہم سب کو بھی گھر سے کچھ ہی دور، بیچ سڑک پہ گاڑی سے نکال باہر کیا تھا۔" ثنا نے مسکراتے ہوئے اس کی الجھن دور کی۔

"کیا؟" مارے حیرت کے اس کا ہاتھ نیم وا لبوں پر آن ٹھہرا۔ مگر جونہی نظر بے تحاشا ہنستی ہوئی ثنا، ردا اور نادیہ سے ہوتی ہوئی امی کے خفت زدہ چہرے پر پڑی تو بے اختیار اس کی اپنی ہنسی بھی چھوٹ گئی۔ جبکہ ان سب کو یوں ہنستا دیکھ کر ایمن کی جانب سے ایک بار پھر زائر کو باآوازِ بلند کوسنے دیے جانے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔ کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟" عاصمہ بیگم کے بے زار لہجے کے برعکس خوشدلی سے جواب دیتے ہوئے بی جان نے اپنی چھوٹی بہو کی مزاج پرسی کی۔ تو وہ اسی مردم بے زار انداز میں، جو کہ ان کی شخصیت کا خاصہ بن چلا تھا۔ "ٹھیک ہے۔" کہتی ہوئی ساس کے قریب ٹک گئیں۔

"یہ کپڑے کیوں پھیلا رکھے ہیں؟" قالین پہ پھیلے کئی زرق برق ان سلے جوڑوں کو ہاتھ بڑھا کر معائنے کے لیے قریب کھینچتے ہوئے انہوں نے بنا کسی کو مخاطب کیے پوچھا۔ تو ان کی اس درجہ لاتعلقی پہ بی جان نے تاسف بھری نگاہوں سے پہلے انہیں اور پھر منجھلی بہو کو ایک نظر دیکھا جو ایک گہرا سانس لیتے ہوئے دوبارہ سامنے رکھے جوڑے کو ٹانکنے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

"کل سے خیر سے اسفر کی شادی شروع ہو رہی ہے نا تو میں نے سوچا کہ جو بھی دینا دلانا ہے آج ہی جا کر دے آئیں۔" اپنے اندر کی کیفیت چھپاتے ہوئے انہوں نے بنا کچھ جتائے، نرمی سے بہو کو اپنے اکلوتے بھائی کے سب سے بڑے پوتے کی شادی یاد دلائی۔

"کپڑوں کے علاوہ اور کیا دے رہی ہیں؟" نخوت سے سامنے رکھے جوڑوں کو ایک طرف کرتے ہوئے انہوں نے گہری نظروں سے جیٹھانی کی مصروفیت جانچتے ہوئے اگلا سوال پوچھا۔

"میں نے تو سوچا تھا کہ کپڑوں کے ساتھ دس ہزار دے دوں گی۔ تاکہ بچہ اپنی مرضی سے جو دل چاہے خرید لے۔ مگر پھر نعیمہ کہنے لگی کہ آپ کی طرف سے دلہن کے لیے بھی کوئی تحفہ علیحدہ سے ہونا چاہیے۔ سو اس کے لیے سونے کا نازک سا سیٹ خریدا ہے۔ نعیمہ کو کہتی ہوں تمہیں لا کر دکھائے۔" بہو کے ازخود دلچسپی لینے پہ وہ اب تک کی ان کی لاتعلقی بھلائے، جھٹ سے ساری تفصیل نہایت سادگی سے ان کے گوش گزار کرنے لگیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ بڑی جیٹھانی کے ذکر پہ لحظہ بہ لحظہ ان کی تیوری کے بلوں میں اضافہ ہونے لگا تھا۔

"رہنے دیں بی جان۔ جب کچھ طے کرنے سے پہلے کسی کام میں مجھ سے صلاح مشورہ لینے کی زحمت نہیں کی گئی، تو اب بھلا دیکھ کر میں کیا کروں گی۔" ساس کے نعیمہ کو آواز دینے پہ انہوں نے ناگواری سے ٹوکتے ہوئے اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ تو بی جان کے ساتھ ساتھ قریب ہی بیٹھی عفت اور بلاوے پہ لاؤنج میں داخل ہوتی نعیمہ تینوں ہی چونک گئیں۔

عاصمہ بیگم کی اپنی سسرال اور وہاں کے مکینوں اور ذمے داریوں میں دلچسپی کی حقیقت سے یہ تینوں خواتین تو کیا گھر کے نوکر تک بخوبی واقف تھے۔ ہاں لیکن اس حقیقت کو ان کے منہ پہ بیان کرنے کی ہمت وہاں رہنے والوں میں نہ پہلے کبھی تھی اور نہ اب تک پیدا ہو سکی تھی۔ ان کی زبان اور مزاج کی تیزی کا مقابلہ کرنا ان میں سے کسی کے بھی بس کا روگ نہ تھا۔ سو ہمیشہ کی طرح خاموشی میں ہی عافیت جانتے ہوئے نعیمہ اور عفت نے تو چپ ہی سادھے رکھی، چونکہ عاصمہ کا شکوہ ڈائریکٹ بی جان سے تھا۔ سو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق انہیں جوابِ شکوہ تو دینا ہی تھا۔ اور وہ بھی کچھ اس نرمی سے کہ مزاج دار بہو کا گلہ بھی دور ہو جاتا اور کوئی بات ان کی طبیعت پہ گراں بھی نہ گزرتی۔ بصورت دیگر امن و امان میں خلل پڑنے کا شدید اندیشہ تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے بہو۔ تم جانتی ہو کہ خاندان میں جو بھی ملنا برتنا ہوتا ہے۔ ہمیشہ تم تینوں کی رائے اور مشورے سے ہی ہوتا ہے۔ اور غالباً اب کی بار تو اس سلسلے میں سب سے پہلے میری تم سے ہی بات ہوئی تھی۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ..." بی جان نے ذہن پہ زور دیتے ہوئے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ عاصمہ بیگم کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولیں۔

"سرسری سے ذکر اور مکمل تیاری میں بہت فرق ہوتا ہے بی جان۔"

"بے شک ہوتا ہے بہو۔ لیکن تم پچھلے تین چار دنوں سے اپنے کمرے سے طبیعت خرابی کے باعث نکلی ہی نہیں۔ اور جو بھی تیاری ہوئی وہ بھاگتے دوڑتے

ان ہی دنوں میں وقت کے وقت کہیں جاکے پوری ہوئی۔ رشنا سے کہہ کر کتنی ہی بار میں نے تمہیں بلا بھیجا' خود چل کر اوپر تک آئی۔ مگر تم شاید زیادہ تر دواؤں کے زیر اثر تھیں۔ تب ہی نہ تو خود آئیں' نہ میرے آنے پہ مل پائیں۔" ان کا لہجہ اور انداز دونوں مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے بی جان نے نہایت رسان سے بہو کا دل صاف کرنا چاہا۔ تو بے اختیار نعیمہ اور عفت ایک دوسرے کو تاسف بھری نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئیں۔

اپنی سدا کی حلیم الطبع' شفیق اور مہربان سی ساس کے ساتھ عاصمہ بیگم کا بغیر کسی لحاظ کے یوں سوال جواب کرنا اور سب سے بڑھ کر ان کے لب و لہجے کی گستاخی دونوں کو ہمیشہ کی طرح اندر ہی اندر شدید دکھ اور افسوس میں مبتلا کیے دے رہی تھی۔ مگر وہ چاہ کر بھی کچھ نہ کہہ سکتی تھیں کہ اپنی عزت اپنے ہاتھ والی بات تھی۔

"یعنی آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ مجھے بلا بلا کر تھک گئیں اور میں جان بوجھ کر' ہر چیز' ہر ذمے داری سے انجان بنی' منہ سر لپیٹے کمرے میں پڑی رہی!" ساری تفصیل سن کے انہوں نے نہایت کرخت لہجے میں وہ معنی اخذ کیے' جن کا دور' دور تک ذکر نہ تھا ایک لمحے کو تینوں خواتین ان کی سوچ کی "بلند پرواز" پہ ہکا بکا رہ گئیں۔

"میں نے ایسا تو کچھ بھی نہیں کہا بہو۔" چند پل کی خاموشی کے بعد بی جان ازحد حیرانی سے گویا ہوئیں تو عاصمہ بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہر بات واشگاف الفاظ میں کہنا ضروری نہیں ہوتا بی جان۔ اور ویسے بھی عمر کے اتنے سال اس جہنم میں جھونکنے کے بعد اتنی عقل تو مجھ میں بھی آن سمائی ہے کہ آپ لوگوں کی ذو معنی' طنزیہ گفتگو کا اصل مطلب اخذ کر سکوں۔" قہر برساتی اک نگاہ عفت اور نعیمہ پر ڈالتے ہوئے' وہ ساس کی آڑ میں سب کی طبیعت صاف کرتیں' تنتناتی ہوئی لاؤنج سے نکلتی چلی گئیں۔ تو اب تک خاموش تماشائی بنی عفت اور نعیمہ بی جان کے دائیں بائیں آ بیٹھیں جو بوڑھی آنکھوں میں پھیلتی نمی دوپٹے میں جذب کر رہی تھیں۔ ان کا دکھ بے اختیار دونوں کی اپنی پلکیں بھگو گیا۔

"جانے دیں بی جان! آپ کیوں دل پہ لیتی ہیں۔" آنسوؤں کا گولا بامشکل تمام حلق میں اتارتے ہوئے نعیمہ نے محبت سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"کیسے نہ لوں بیٹا! اس کی اس درجہ بدگمانی بہت تکلیف دیتی ہے مجھے۔" وہ سر جھکائے بھرائے ہوئے لہجے میں آہستگی سے بولیں تو نعیمہ اک گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔

"صرف آپ کو نہیں بی جان' عاصمہ کی باتیں ہم سب کو بہت دکھ دیتی ہیں۔ لیکن آپ ہی بتائیں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ایک عمر گزر گئی' بچے جوان ہو گئے' لیکن اس کا مزاج ہم سے نہ مل سکا۔ یا شاید ہماری محبتوں میں ہی کوئی کمی رہ گئی تھی' جو اسے اپنا نہ بنا سکے۔" نعیمہ یاسیت سے بولیں تو بی جان جیسے تڑپ اٹھیں۔

"ایسے نہ کہو بیٹا۔ اللہ کے بعد تم سب کے خلوص اور نیک نیتی کی میں گواہ ہوں۔ بس تم دعا کرو کہ ان بے غرض محبتوں کے احساس سے اللہ اس کے دل کو بھی آشنا کردے' جو خوامخواہ کی تلخیاں اپنی اور میرے بچے کی زندگی میں گھولے بیٹھی ہے۔"

"اللہ کرے بی جان ایسا ہی ہو۔" نعیمہ نے بجھے دل سے ساس کا حوصلہ بڑھایا تو عفت دونوں کو دیکھ کر رہ گئیں۔ عاصمہ بیگم کا دل ان کے سسرال والوں کی جانب سے صاف ہو جائے' ایسی انہونی کم از کم ان کے نزدیک مشکل ہی نہیں ناممکن تھی۔

☼ ☼ ☼

آج اسفر کا ولیمہ تھا۔ شیرٹن کے پول سائیڈ پر ارینج کی گئی یہ پروقار تقریب' پچھلے چند دنوں کے ہنگامہ خیز فنکشنز کے برعکس کافی پرسکون اور اچھی لگ رہی تھی۔

موسم کی تمام تر خوشگواریت خود میں سموئے' فضا تازہ پھولوں اور بیش قیمت پرفیومز کی خوشبو سے مہک

رہی تھی۔ ہر سو بکھرے رنگ' مسکراہٹوں اور مدھم موسیقی نے ماحول کی اس خوبصورتی میں جیسے چار چاند لگا دیے تھے۔ جس کے زیر اثر ہر کوئی اپنی اپنی پریشانیوں کو وقتی طور پر بھلائے خوش گپیوں میں مصروف نظر آرہا تھا۔

"یار زائر! اب بس تمہیں بھی شادی شدہ کی لائن میں آجانا چاہیے۔" ان تینوں کے ساتھ کھڑے اسفر نے ہاتھ میں پکڑی کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے مسکرا کر زائر کی جانب دیکھا۔

"یعنی ہم تو ڈوبے ہیں صنم' تم کو بھی لے ڈوبیں گے!" زائر نے بھنویں اچکاتے ہوئے برجستگی سے کہا تو اسفر سمیت سب ہی ہنس دیے۔

"یعنی تم میرے ڈوبنے کی دعوت اڑا رہے ہو؟" اسفر مصنوعی خفگی سے گویا ہوا۔

"اور نہیں تو کیا۔ لیکن تم پریشان مت ہو۔ عقل جب گھاس چرنے جاتی ہے تو پھر زندگی میں کم از کم ایک بار ایسی دعوت ضرور دی جاتی ہے۔" پوری سنجیدگی سے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے تسلی دی گئی تھی۔

"تو پھر تم ایسی دعوت کب دے رہے ہو؟" اسفر نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"یار میں گدھوں کی بات کر رہا ہوں' انسانوں کی نہیں!" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے وہ شرارت سے بھرپور لہجے میں بولا' تو سب کا مشترکہ قہقہہ گونج اٹھا۔

"محترم زائر کی اس ساری بکواس کو تم دونوں یاد رکھنا۔ یہ آئینہ ہمیں اس دن انہیں دکھانا ہے' جب یہ خود اسٹیج پہ گدھے بنے بیٹھے ہوں گے۔" اپنی ہنسی پہ قابو پاتے ہوئے اسفر نے زائر کی جانب اشارہ کیا تو فرحان اور یاسر دونوں مسکرا کر زائر کی جانب دیکھنے لگے' جو بھرپور مسکراہٹ لبوں پہ سجائے کولڈ ڈرنک انجوائے کرنے میں مصروف تھا۔

"ویسے یار زائر ایک بات تو بتاؤ سیریسلی۔ تم کسی سے کمیٹڈ ہو کیا؟" اسفر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں!" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم سے زاہد خشک سے' مجھے اسی جواب کی توقع تھی۔" اسے گھورتے ہوئے وہ ان دونوں کی جانب پلٹا۔

"اس کا مطلب ہے لڑکی ڈھونڈنے کا کام بھی ہمیں ہی انجام دینا پڑے گا! خاندان کی لڑکیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" روئے سخن ایک بار پھر زائر کی جانب ہوا۔

"یہ تم میرے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو؟ جاؤ جا کر اسٹیج پر بیٹھو اور اپنی بیگم کے کان کھاؤ!" وہ مصنوعی جھنجلاہٹ سے بولا۔ مگر اس سے پہلے کہ اسفر کوئی جواب دیتا۔ روشی کی آمد نے بے اختیار چاروں کو اس کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ جو سی گرین اور گولڈن کمبنیشن کے سوٹ میں نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔

"اسفر بھائی! آپ کو انکل نصیر بلا رہے ہیں۔" ان سب کو اپنی جانب متوجہ پا کر وہ ہلکی سی مسکراہٹ لیے گویا ہوئی تھی۔

"ان سے کہو میں آتا ہوں۔" وہ روشی سے مخاطب ہوا تو وہ سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔

"یار! روشی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کافی سوٹ کرے گی تمہارے ساتھ!" اسفر نے ہلکے پھلکے لہجے میں اظہار خیال کیا تو زائر کی مسکراہٹ لمحوں میں غائب ہو گئی۔ جبکہ فرحان اور یاسر نے' جس کی پوری توجہ اس پل زائر پر تھی گہری نظروں سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا جو روشی کے ذکر پہ ہمیشہ کی طرح سپاٹ ہو چلا تھا۔

"انکل نصیر تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے بے تاثر لہجے میں یاددہانی کروائی وہ اسٹیج کی جانب بڑھ گیا۔

"تو نے اسفر کے سوال کا جواب نہیں دیا؟" فرحان نے مسکرا کر یاسر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"بے کار کے سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ ویسے بھی میں فضول لوگوں کے بارے میں

خیال آرائی نہیں کیا کرتا۔" پاس سے گزرتے ویٹر کو بلا کر خالی گلاس تھماتے وہ بے اعتنائی سے بولا۔

"آخر تجھے اس بے چاری سے کیا دشمنی ہے یار؟" یاسر نے اس کا چہرہ تکتے ہوئے پوچھا جو پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے لاپروائی سے اردگرد کا جائزہ لینے میں مصروف ہو چکا تھا۔ یوں جیسے ایک انتہائی بے کار اور فضول موضوع زیر بحث ہو۔

"مجھے اس سے کوئی دشمنی نہیں۔ ان فیکٹ میں اسے اپنی دشمنی کے قابل بھی نہیں سمجھتا!" وہ کندھوں کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے انتہائی سرد لہجے میں گویا ہوا تو ایک لمحے کو اس کا جواب اور انداز دونوں کو گنگ کر گیا۔

"آئی جسٹ کانٹ انڈر اسٹینڈ یو! وہ ہماری اتنی اچھی، ڈیسنٹ اور سافٹ اسپوکن سی کزن ہے۔ اس نے کبھی کسی کے ساتھ بدتمیزی نہیں کی۔ تیری بھی ہمیشہ عزت ہی..."

"آئی تھنک آئی ہیڈ انف آف دس! ہم اب اگر کسی اور بارے میں بات کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔" واضح اور دو ٹوک الفاظ میں اس نے بات ختم کر ڈالی تو فرحان اک گہری سانس لیتے ہوئے یاسر کو دیکھنے لگا جو خود بھی محض کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"شاباش ہے تم پر!" عاصمہ کی طنزیہ آواز اچانک کچن میں گونجی تو بریانی کا مسالا تیار کرتی روشی اور قریب ہی کھڑی ہدایات دیتیں نعیمہ، دونوں بے اختیار پلٹ کر دروازے کی جانب دیکھنے لگیں، جہاں پیشانی پر ڈھیروں بل سجائے، عاصمہ انتہائی خشمگیں نگاہوں سے بیٹی کو کھڑی گھور رہی تھیں۔

"کیا ہوا امی؟" ان کا انداز۔ روشی کو اپنی شامت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"تمہارے ماموں پورا ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھ کر گئے ہیں اور تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ دو گھڑی ان کے پاس آکے ٹک جاتیں۔" غصے سے کھولتے وہ اس کے سر پہ آپہنچی تھیں۔

"امی! میں آپ کے سامنے ان سے مل کر، چائے سرو کر کے تو آئی تھی۔" اس نے حیران نظروں سے ماں کا ناراض چہرہ تکتے ہوئے اپنی صفائی میں کہا۔

"میرے بھائی جان چائے کی پیالی کے لیے نہیں بلکہ بہن اور اس کے بچوں کی محبت میں ان بے فیض لوگوں کے در پہ چلے آتے ہیں۔ اور بہن کے بچے ہیں کہ ان کے پاس ماموں کے لیے وقت ہی نہیں۔ بس چائے کی پیالی پٹخی اور چلتے بنے!" نعیمہ کی پروا کیے بنا انہوں نے ہمیشہ کی طرح ایک کی آڑ میں سب کو رگیدا تو روشی دکھ سے ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ عاصمہ بیگم کا موڈ اسفر کی شادی والے واقعے کے بعد سے خراب تھا۔ اور آج جبکہ چھوٹے دادا ابو (ابی جان کے بھائی) اپنی پوری فیملی سمیت کھانے پر مدعو تھے تو ان کا مزاج معمول سے بڑھ کر بگڑا ہوا تھا۔

صبح سے ہی وہ مختلف کام نبٹاتے ہوئے اپنی بڑبڑاہٹ جاری رکھے ہوئے تھیں۔ مگر چونکہ کسی نے پلٹ کر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ سو دل کی بھڑاس کھل کر نکالنے کی کوئی صورت نہ بن سکی تھی۔ لیکن اب گویا رشنا کی آڑ میں ایک بہترین موقع ان کے ہاتھ لگا تھا۔ اور اس موقعے کو گنوانے کا ان کا قطعا" کوئی ارادہ نہ لگتا تھا۔ یہ بات وہ بھی جانتی تھیں اور سامنے کھڑی روشی بھی، جو نا صرف ماموں کو سرو کرنے بلکہ ان کے پاس دس پندرہ منٹ بیٹھنے کے بعد ایکسکیوز کرتی ہوئی کچن میں واپس آئی تھی۔ اس بات کا اسے اندازہ نہیں، بلکہ یقین تھا کہ ماموں نے اس کے بیٹھنے یا نہ بیٹھنے کو قطعا" کوئی اہمیت نہیں دی ہوگی۔ کیونکہ جتنی محبت وہ اپنی بہن اور اس کی اولاد سے کرتے تھے۔ اس حقیقت سے بھی باخوبی واقف تھے۔

اس کی ننھیال رشتے ناتوں کو کتنی اہمیت دینے والا تھا، اس کا اندازہ تو عاصمہ بیگم کے اطوار سے ہی لگایا جا سکتا تھا۔ جس کے اپنے دو بھائی اور دو بہنیں محض منہ دکھاوے کی محبتوں کے قائل، اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہونے کے باوجود ان کے نزدیک خاصی اہمیت کے حامل تھے۔ جبکہ جو محبتیں ان پر اور ان کی اولاد پر، بنا کسی غرض کے ہمہ وقت سایا فگن تھیں، ان کی نہ انہیں قدر تھی اور نہ چاہ۔ اور ماں کی یہی بے حسی اسے ہمیشہ کی طرح آج بھی دکھ کے ساتھ ساتھ شدید شرمندگی میں مبتلا کیے دے رہی تھی۔

جو ہر خاص موقعے پر گھر میں شور شرابا مچا کر ناراض ہونا، اور پھر گھر والوں سے منتیں کروانا اپنا حق سمجھتی تھیں۔ اہمیت جتانے کا یہ کون سا انداز تھا، وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ لیکن آج وہ اس بحث کا یہیں خاتمہ چاہتی تھی۔ تبھی باوجود شدید افسوس اور غصے کے وہ بات ختم کرنے کو نہایت رسان سے بولی تھی۔

"امی! میں ماموں کو دعوت کے بارے میں بتا کر یہاں آئی تھی۔ لیکن اگر پھر بھی انہیں میرا اٹھ کر آنا برا لگا ہو تو میں ان سے فون کر کے ایکسکیوز کر لوں گی۔"

"یہ احسان کرنے کی بھی کیا ضرورت ہے بی بی۔ تم لعنت بھیجو ماں اور اس کے رشتے داروں پر۔ تم جن بے حس اور خود غرض لوگوں کی نسل ہو۔ ان ہی کی غلامیاں کرو۔ شاید کہ یہ تمہارے بن جائیں۔" طنز سے قریب کھڑی نعیمہ کو دیکھتے ہوئے وہ خلاف توقع بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئیں تو نا چاہتے ہوئے بھی نعیمہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ جسے اس سے چھپانے کو وہ پلٹ کر چاولوں کا تسلہ اٹھائے سنک کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ جبکہ رشنا کا دل ماں کی اس زیادتی پہ کٹ کر رہ گیا تھا۔

بے اختیار ہاتھ میں پکڑا نیپکن کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے وہ ان کے نزدیک چلی آئی تھی۔ اور اگلے ہی لمحے بنا کسی جھجک کے پیچھے سے ان سے جا لپٹی تھی۔

"آئی۔ آئی ایم سوری تائی امی!" ان کی پشت سے منہ لگائے وہ رندھی ہوئی آواز میں آہستگی سے بولی۔ تو بے اختیار انہوں نے پلٹ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ اور رشنا تو جیسے اس ہی سہارے کی منتظر تھی۔ آن واحد میں اشک ندامت چہرہ بھگونے لگے، تو سدا کی نرم خو نعیمہ گھبرا گئیں۔

"ارے میری جان! تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔" پیار سے اس کی کمر سہلاتے ہوئے وہ محبت سے بولیں۔ تو اس درجہ بڑائی پہ رشنا کو اپنا وجود پر خلوص محبتوں کے اس مہربان بوجھ تلے دبتا ہوا محسوس ہوا۔ جن کا قرض وہ شاید چاہ کر بھی کبھی نہیں اتار سکتی تھی۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اس گھر کے مکینوں نے کبھی عاصمہ بیگم کی کسی بد سلوکی کا بدلہ ان کی اولاد سے نہ لیا تھا۔ بلکہ ان سب نے تو ہمیشہ نا صرف اسے بلکہ علی اور اریبہ کو بھی اپنی اولاد ہی کی طرح چاہا تھا۔ یہ ان سب کی بڑائی اور عظمت ہی تو تھی کہ انہوں نے بچوں کو ہمیشہ گھریلو چپقلش سے دور رکھا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ گھر کے تمام بچے ایک دوسرے کے بے حد قریب اور بڑوں کی بے تحاشا عزت کرتے تھے۔ گھر کے اس پرسکون ماحول کا سہرا جہاں بی جان کی محبت، انصاف پسندی اور حلیم طبعیت کو جاتا تھا، وہیں آنے والیوں کے حوصلے، اطاعت گزاری اور متحمل مزاجی کی بھی عکاسی کرتا تھا۔ جنہوں نے ہمیشہ گھر کے بزرگوں کی بات کو اولین ترجیح دیتے ہوئے، باتوں کو کبھی کھینچا نہیں تھا۔

اور یہی وجہ تھی کہ آج تک عاصمہ بیگم جیسی تنک مزاج خاتون کے گھر میں ہوتے ہوئے بھی بہت محبت اور اتفاق سے گزارا کر رہی تھیں۔

"روشی! اب بس بھی کرو بیٹا۔" اسے زارو قطار روتا دیکھ کر انہوں نے نرمی سے اس کے بال سہلائے تو وہ۔ بمشکل تمام خود پر قابو پاتے ہوئے ان سے علیحدہ ہو کر آنسو صاف کرنے لگی۔

"آئندہ میں تمہیں یوں بلا وجہ آنسو بہاتے نہ دیکھوں۔" اس کی جانب مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے انہوں نے اپنے تئیں تنبیہہ کی۔ تو وہ مسکرا کر کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی۔

یونہی تائی امی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے وہ تیزی سے کام نبٹانے میں مصروف تھی۔ جب اچانک کچن میں زائر کی آمد نے اسے خاموش کروا دیا۔

فریج سے پانی کی بوتل اور کیبنٹ سے گلاس لیے وہ

باہر نکلنے کو تھا' جب اچانک اس کی نظر نعیمہ بیگم کی گلابی آنکھوں سے جا ٹکرائی۔

"آپ روئی ہیں کیا؟" رک کر تشویش سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا' تو روشی کا تیزی سے چلتا ہاتھ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ بے اختیار گھبرا کر اس نے ایک نظر تائی امی اور دوسری زائر کے چہرے پر ڈالی تھی۔ جہاں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سا تاثر پھیلا ہوا تھا۔

"نہیں!" مصروف سے انداز میں انہوں نے ایک لفظ میں بات ختم کی تو وہ جیسے بھڑک اٹھا۔

"مجھے پتا تھا آپ کا یہی جواب ہو گا۔ جبکہ میں نا صرف آپ کے رونے سے بلکہ اس کی وجہ سے بھی باخوبی واقف ہوں۔" ہاتھ میں پکڑی بوتل اور گلاس کاؤنٹر پہ پٹختے ہوئے وہ تلخی سے گویا ہوا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" خشمگیں نگاہوں سے بیٹے کو گھورتے ہوئے وہ اب کے ذرا سختی سے بولیں۔

"آپ جھوٹ نہیں بول رہیں' بلکہ پردے ڈال رہی ہیں۔ جبکہ آپ کچھ کہیں یا نہ کہیں سب جانتے ہیں کہ اس گھر میں دلوں کو دکھانے والی' ہنستوں کو رلانے اور سکون کو تباہ و برباد کرنے والی صرف ایک ہی شخصیت ہے!" وہ بنا کسی جھجک کے تیز لہجے میں بولا تو مارے شرمندگی کے رشنا اپنی جگہ گڑ کر رہ گئی۔

"زائر! یہ کون سا طریقہ ہے بڑوں کے بارے میں بات کرنے کا؟" نعیمہ بیٹے کی اس درجہ بدتمیزی پر جیسے کھول اٹھی تھیں۔

"ایسے بڑوں کے بارے میں بات کرنے کا یہیں طریقہ ہوتا ہے۔" اس پہ ایک نگاہ غلط ڈالے بنا وہ اپنی بات مکمل کرتا کچن سے نکلتا چلا گیا تو نعیمہ بے اختیار سر پکڑ کر رہ گئیں۔ جبکہ روشی کی حزن میں ڈوبی آنکھوں کے سامنے اچانک منظر دھندلا سا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کتنی دیر سے ایک ہی پوزیشن میں کھڑی' نیچے لان میں بیٹھے اپنے تمام کزنز کے ہنستے مسکراتے چہروں کو یاسیت سے دیکھنے میں محو تھی' جو چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے زائر کے لائے گئے گفٹس کھولنے اور زور و شور سے آپس میں ڈسکس میں مصروف' رات کے اس پہر لان میں ایک ہنگامہ برپا کیے ہوئے تھے۔ جبکہ وہ خود بڑے ریلیکس انداز میں گھاس پر بیٹھے' سب کے کمنٹس کا ہنستے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

زائر' آج شام ہی ایک ہفتے کے بعد اسلام آباد سے واپس پہنچا تھا۔ جہاں وہ اپنی فرم کی جانب سے ایک اہم ورک شاپ اٹینڈ کرنے بھیجا گیا تھا۔ باوجود اس کے کہ ان کی فیملی کا اپنا لیدر گڈز کی امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ کا خاصا وسیع بزنس تھا۔ زائر نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک بہت بڑی فارن فرم کو جوائن کر لیا تھا۔ جس پہ تایا ابا سمیت دونوں چچاؤں نے خاصا شور مچایا تھا۔ مگر وہ کسی صورت جاب چھوڑنے اور اپنی فیکٹری جوائن کرنے پر آمادہ نہ ہوا تھا۔

اس کی خود کو منوانے اور اپنے بل بوتے پر سیٹل ڈاؤن ہونے کی یہ خواہش کچھ اس قدر مضبوط تھی کہ بالآخر گھر کے بڑوں کو خاموشی اختیار کرنی ہی پڑی۔ اور یوں وہ نہایت اطمینان سے ڈیڑھ سال قبل اس فرم سے منسلک ہو گیا تھا۔ جس کی پاکستان کے علاوہ بھی کئی دوسرے ممالک میں برانچز تھیں۔

"یار زائر! تو نے کیا سوچ کر میرے لیے یہ ٹائی سیٹ خریدا تھا؟" فرحان نے پسندیدگی سے ہاتھ میں پکڑے خوبصورت سے امپورٹڈ ٹائیز کے اس بکس کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"تاکہ تو میری برینڈڈ ٹائیز پر ہاتھ صاف کرنا چھوڑ دے!" چائے کا سپ لیتے ہوئے وہ مزے سے بولا تو فرحان سمیت سب کا بے ساختہ قہقہہ چھوٹ گیا۔

"تجھ سے مجھے اسی کمینے جواب کی توقع تھی۔ لیکن میں بھی تیرا دوست ہوں۔ تیری ٹائیز پہ کل بھی میرا حق تھا' آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ سمجھا!"

"سمجھ گیا۔ اور کچھ؟"

"نہیں۔ فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔" وہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے شان بے نیازی سے بولا تو زائر سمیت سبھی ہنس دیے تھے۔

جبکہ اوپر تنہا تاریک ٹیرس کا حصہ بنی کھڑی رشنا کا دل اس ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر دکھ سے بھر گیا تھا۔ جسے شاید اس کی کمی کا احساس بھی نہیں تھا۔ اور وہ اسے یہ احساس دلانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ لیکن بلاوجہ کسی کے نفرت آمیز رویے کو یوں سب کے سامنے برداشت کرنا بہرحال تکلیف کا باعث تو تھا۔ جس سے بچنے کے لیے وہ اور کچھ نہیں تو ایسی کسی بھی محفل' جس کا تعلق زائر سے ہوتا تھا' از خود حصہ بننا گوارا نہ کرتی تھی۔

ایسے ہر موقعے پر وہ ہمیشہ بڑے وقار اور بے نیازی سے اپنا پندار سنبھالے ایک طرف ہو جاتی تھی' اور ان سب میں سے کوئی بھی اس سے کچھ نہ پوچھتا تھا۔ ان کے نزدیک اس کی یہ لاتعلقی درست تھی۔ جبکہ زائر کے نزدیک یہ محض رشنا کا طنطنہ اور اکڑ تھی۔ جو اس کا حلق تک کڑوا کر جاتی تھی' لیکن جسے قطعی اہمیت نہ دینے کی اس نے دل میں ٹھان رکھی تھی۔

بے اختیار اک بوجھل سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے' رشنا نے ہاتھ میں پکڑا مگ لبوں سے لگاتے ہوئے ٹھنڈی بدمزا چائے کا ایک بڑا سا گھونٹ اپنے اندر اتارا تھا۔ اور اپنے دل کو ایک بار پھر ہزاروں صلواتیں سناتے ہوئے' اسے اس کی غلط روش سے باز رکھنا چاہا تھا۔ مگر جب دل آنکھوں دیکھی پر بھی قائل نہ ہوا' تو تھک کر اس نے نیچے جانے کی ٹھانی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ قدم آگے بڑھاتی' سیڑھیوں سے نمودار ہوتے اریبہ کے چہرے نے اس کے بڑھتے قدموں کو روک دیا۔

"آپی! آپ یہاں اکیلی کیا کر رہی ہیں؟ میں کب سے آپ کو نیچے ڈھونڈ رہی تھی۔" وہ اپنی سانس بحال کرتے ہوئے اس کے قریب چلی آئی تو رشنا نے بمشکل تمام چہرے پہ بشاشت پیدا کرتے ہوئے خود سے چھ سال چھوٹی بہن کی جانب دیکھا۔

"کیوں؟ خیر تو تھی؟"

"میں نے آپ کو اپنا گفٹ جو دکھانا تھا۔" ہاتھ میں پکڑا نفیس سا جیولری باکس اس کی نگاہوں کے سامنے کرتے ہوئے وہ یک لخت بچوں کے سے اشتیاق سے بولی تھی۔

"واؤ! یہ تو بہت خوبصورت ہے اریبہ کون لایا ہے؟" زبردستی مسکراتے ہوئے وہ قصداً" انجان بنی تھی۔

"زائر بھائی! وہ سب کے لیے اتنے اچھے گفٹس لائے ہیں۔ آپ بھی نیچے چل کر ان سے اپنا گفٹ لیں نا!" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ جوش سے بولی تو وہ ایک لمحے کو چپ سی ہو گئی۔

"تمہیں معلوم ہے نا کہ میری ان سے نہیں بنتی۔" وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ نارمل انداز میں گویا ہوئی تو اریبہ کا سارا جوش و خروش ماند پڑ گیا۔

"لیکن کیوں آپی؟ اتنے اچھے تو ہیں زائر بھائی!" وہ منہ لٹکائے افسردگی سے بولی تو اس کے کندھے پر بانہیں پھیلاتے ہوئے رشنا نے اسے خود سے قریب کر لیا۔

"میں نے کب کہا کہ برے ہیں۔ بس اپنے اپنے ٹرمز کی بات ہے۔ شاید میری اور ان کی نیچر نہیں ملتی۔" خالی خالی نگاہوں سے آسمان کی وسعتوں کو تکتے ہوئے اس نے چھوٹی بہن کے سامنے ہمیشہ کی طرح' ہلکے پھلکے لہجے میں زائر کے ناقابل فہم انداز کی وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس سے چار سال چھوٹا علی اور چھ سال چھوٹی اریبہ وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں بڑے ہوتے جا رہے تھے اس کے اور زائر کے کھنچے ہوئے رویے کو محسوس کرنے لگے تھے۔ جو سوائے ایک ان کی آپی کے باقی تمام کزنز کے ساتھ ساتھ ان دونوں سے بھی نہایت نارمل طریقے سے پیش آتا تھا۔ اور یہی بات دونوں کو خاصی کھٹکنے لگی تھی۔ جس کی ظاہر ہے' زائر کو تو قطعاً" کوئی پروا نہ تھی۔ لیکن رشنا بہرحال اپنے چھوٹے بہن بھائی کے ذہنوں کو وقتاً" فوقتاً" کلیئر کرتی رہتی تھی۔ تاکہ ان کے دل میں اپنی بڑی بہن کے حوالے سے

کبھی کوئی غلط خیال نہ پنپ سکے۔

"چلو اب نیچے چلتے ہیں۔ رات کافی ہو گئی ہے۔" پلٹ کر لان کی خاموشی پر اک نظر ڈالتے ہوئے وہ اریبہ کو ساتھ لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔ جواب بڑے مگن سے انداز میں اسے اپنی فرینڈ کا کوئی قصہ سنانے میں مصروف ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میرے کپڑے پریس کرنے کا نیک کام تم تینوں میں سے کون سرانجام دے گا؟" فہد نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے باآواز بلند پوچھا تو اس کے ہاتھ میں پکڑے بلیک کھدر کے سوٹ پر نظر پڑتے ہی ثنا بے اختیار بول اٹھی۔

"کم از کم میں تو ہرگز نہیں!"

"اور مجھے بھی جناب معاف ہی رکھیے گا۔" ایمی نے بھی آن واحد میں جان چھڑائی تو سامنے صوفے پر براجمان بی جان غصے سے کھول اٹھیں۔

"شرم تو نہیں آتی۔ یوں منہ بھر کے جواب دیتے ہوئے۔ ایک جوڑا ہی تو استری کرنے کو کہہ رہا ہے۔ کون سا پہاڑ کھودنے کی فرمائش کر ڈالی ہے، جو یوں جان جا رہی ہے!"

"دیکھا آپ نے بی جان۔ یہ دونوں کتنی بدلحاظ ہیں۔ پتا نہیں ان کا آگے جا کر کیا بنے گا۔" آنکھوں میں شرارت لیے، ان کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے غصے کو ہوا دی۔ تو وہ دونوں اسے دانت پیس کر گھورنے لگیں جو چہرے پر مصنوعی سنجیدگی طاری کیے ان کے مستقبل کی فکر میں گھلا جا رہا تھا، جبکہ رشنا اس ساری صورت حال پہ بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائے بیٹھی تھی۔

"بننا کیا ہے بیٹا! جا کے ماں اور دادی کو باتیں سنوائیں گی۔ بھلا بتاؤ، دو دن نہیں ہوئے دھوبی کو چھٹی کیے کہ یہ کھڑی ہو گئیں، صاف انکار کرنے۔ جو بھری پری سسرال سنبھالنی پڑ جائے تو نہ جانے کیا بنے گا۔" دونوں کو کھری کھری سناتے ہوئے آخر میں انہوں نے جیسے خود کلامی کی۔

"بالکل صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔" تائید میں سر ہلاتے ہوئے فہد نے ان کی حالت سے حظ اٹھایا تھا، جو اب اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

"لاؤ دو، میں پریس کر دیتی ہوں۔" دونوں کو بی جان کے عتاب سے بچانے کو بالا آخر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کیوں کر دیتی ہو؟ ان کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی ہے کیا۔" انہوں نے سامنے بیٹھی ثنا اور ایمی کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"کوئی بات نہیں بی جان۔ مل جل کے ہی سارے کام ہوتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جھک کر فہد کے ہاتھ سے کپڑے لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں! تمہیں ہم بھائی چارے کے نام پر ان کے سسرال ساتھ روانہ کریں گے۔" فہد نے ایک بار پھر آگ لگانی چاہی تو ثنا کے لیے خود پہ مزید قابو رکھنا دشوار ہو گیا۔

"تم تو اپنا منہ بند ہی رکھو، پھاپھا کٹنے!" وہ دھیمی آواز میں غرائی تو فہد شرارت سے اسے تکتے ہوئے باآواز بلند بولا۔

"بی جان! ثنا آپ سے کچھ کہہ رہی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہے؟" کھٹاک سے پان دان کا ڈھکن بند کرتے ہوئے روئے سخن ایک بار پھر اس کی طرف ہوا تھا۔

"م۔ میں کہہ رہی تھی۔ بی جان کہ کہ آپ غصے میں کتنی پیاری لگتی ہیں۔" توپوں کا رخ اپنی جانب گھومتا دیکھ کر ثنا بی بی نے گڑبڑا کر بات بنانی چاہی تو تینوں کی بے ساختہ ہنسی لاؤنج میں گونج اٹھی۔ جبکہ بی جان بھی سارا غصہ بھلائے کھل کر مسکرانے پر مجبور ہو گئی تھیں۔

سب کو یوں بے ساختگی سے ہنستا دیکھ کر خفت زدہ سی ثنا بھی اپنی مسکراہٹ روک نہ پائی تھی۔

"السلام علیکم!" لاؤنج میں بکھری ہنسی کے درمیان اچانک زائر کی آواز گونجی، تو سب نے بے اختیار پلٹ کر داخلی دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ جہاں ایش گرے تھری پیس سوٹ میں بلیک بریف کیس اٹھائے، وہ ابھی ابھی آفس سے لوٹا تھا۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو۔" بی جان نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے دعا دی تھی، جو ان کے آگے جھکنے کے بعد اب صوفے پر گر سا گیا تھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی رشنا کی نظریں آنکھیں موندے زائر کے چہرے سے ٹکرائی تھیں، جو آج خاصا تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"تھک گیا میرا بچہ!" محبت سے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے بی جان نے خود کلامی کی تھی۔

"روشی بیٹا! کپڑے بعد میں پریس کرنا۔ پہلے زائر کے لیے چائے بنا لاؤ۔ میں تب تک ذرا نماز ادا کر آؤں۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے اسے ہدایت جاری کی تو وہ چند لمحوں کے تذبذب کے بعد ہاتھ میں پکڑا سوٹ ایک طرف رکھتے ہوئے خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ مگر اس سے پہلے کہ بی جان کے پیچھے اس کے قدم دہلیز عبور کرتے، زائر کی سرد آواز نے یک لخت اس کے وجود کو ساکت کر ڈالا۔

"زحمت کرنے کی ضرورت نہیں! جاؤ ثنا۔ میرے لیے چائے بنا کر لاؤ۔ میں تب تک فریش ہو کر آتا ہوں۔" بریف کیس اٹھائے وہ اس کے قریب سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا تو بے اختیار فہد سمیت ایمن اور ثنا کا دل رشنا کے لیے کٹ کر رہ گیا تھا۔ جواب تک ان کی جانب پشت کیے جہاں کی تہاں کھڑی تھی۔

"اچھا ہوا تمہاری جان چھوٹی۔ لو اب فٹافٹ میرے کپڑے پریس کر دو۔" اپنے بڑے بھائی کی بدولت ماحول پر چھائی بوجھل سی خاموشی توڑنے کی غرض سے فہد تیزی سے کپڑے اٹھائے اس کے پاس چلا آیا۔ تو وہ بمشکل اپنے سنسناتے دماغ کو حاضر کرنے کے قابل ہوئی تھی۔

"بلکہ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں، کہیں تم میرے کپڑے جلا نہ دو۔" اس کا دھیان بٹانے کو وہ ادھر ادھر کی ہانکتا ساتھ ہو لیا، تو اپنی ذات کی اس درجہ تحقیر پر اس کے آنسو بے اختیار پلکوں کی باڑ عبور کر گئے۔

"ارے۔ ارے۔ یہ کیا؟ بائے گاڈ روشی! مجھے معلوم نہ تھا کہ تمہیں کپڑے پریس کرنا اس قدر مشکل لگتا ہے۔" اپنے دھیان میں بولتے ہوئے فہد کی نظر جونہی روشی کے چہرے پر پڑی وہ تیزی سے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

اس کی بوکھلانے کی ایکٹنگ پر بے اختیار رشنا آنسوؤں کے درمیان مسکرا اٹھی۔ اور دھوپ چھاؤں کے اس خوبصورت امتزاج نے اپنے کمرے سے نکلتے زائر کے دل کو پہلی بار اس کی جانب بڑے مختلف انداز میں کھینچا تھا۔

لیکن دل کی یہ کیفیت محض لمحاتی تھی۔ جونہی وہ فہد کے ساتھ مسکراتے ہوئے آگے بڑھی، دل بھی اس پل کے سحر سے جیسے آزاد ہو گیا اور وہ سر جھٹکتے ہوئے لاؤنج کی جانب چل دیا۔

☼ ☼ ☼

"چھوٹی امی! آپ کو بی جان اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔" اریبہ نے عفت بیگم کے کمرے میں جھانکتے ہوئے اطلاع دی تو وہ ہاتھ میں پکڑے کشن کورز نیچے رکھتے ہوئے بی جان کے کمرے میں چلی آئیں۔ جہاں ان کے علاوہ نعیمہ، عاصمہ اور رشنا تینوں موجود تھیں۔

"آؤ بہو۔" وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو بی جان نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھو میں نے دو سیٹ بنوائے ہیں۔ ایک رشنا کے لیے اور ایک ایمن کے لیے۔ بچیوں کے دل میں کوئی بات نہ آئے، لہٰذا میں نے بالکل ایک سا ڈیزائن رکھوایا ہے۔" انہوں نے سامنے کھلے ڈبوں میں سے ایک ان کی جانب بڑھاتے ہوئے بتایا۔

"ماشاء اللہ! بہت خوبصورت اور نفیس سیٹ ہے بی جان۔ اللہ تعالیٰ انہیں پہننا نصیب کرے۔" سراہتی نظروں سے سیٹ کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر پاس بیٹھی رشنا کی پیشانی چومی۔

"آمین! بس اللہ دونوں کا جلد اور نیک وسیلہ بنائے۔" بی جان نے دل کی گہرائیوں سے اپنی دونوں پوتیوں کے لیے دعا کی تو کمرے میں موجود تینوں خواتین بے اختیار "آمین" کہہ اٹھیں۔

"روشنی بیٹا! ذرا سیٹ پہن کر تو دکھاؤ۔" عفت نے مسکراتے ہوئے نئی فرمائش جاری کی تو رشنا بے اختیار جھینپ گئی۔

"پلیز چھوٹی امی!"

"پلیز کی کیا بات ہے۔ ابھی امی ہوتی تو بنا کہے، پہن کر ماڈلنگ کرنے کھڑی ہو جاتی۔" انہوں نے ہنستے ہوئے بیٹی کی شوخ طبیعت پر چوٹ کی تو رشنا سمیت سبھی ہنس دیے۔

"بس پھر آپ اس ہی سے سیٹ "ڈسپلے" کروائیے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس سے بھی کروالوں گی، پہلے تم تو کر کے دکھاؤ۔" انہوں نے بھاری جھمکا نکالتے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھمایا، تو وہ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق سیٹ پہننے لگی۔

"ماشاء اللہ! اللہ نظر بد سے بچائے، بہت ہی سج رہا ہے۔" انہوں نے توصیفی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا، تو تینوں نے تائید کر ڈالی۔

"میں تو سوچ رہی ہوں کہ ایسا ایک سیٹ زائر کی دلہن کے لیے بھی بنوالوں۔" نعیمہ نے ہاتھ بڑھا کر گلوبند کی جھالر کو چھوتے ہوئے خیال آرائی کی تو ایک پل کو رشنا کا دل رک سا گیا۔

"تو وہ بھلا ایک جیسے دو سیٹ کیا کرے گی؟" بی جان اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بظاہر عام سے لہجے میں بولیں۔ تو کمرے میں موجود چاروں نفوس جیسے تھم سے گئے۔ لیکن جونہی جملے کا مفہوم واضح ہوا۔ عاصمہ بیگم نے بے اختیار پہلو بدلا تھا۔ جبکہ عفت نے مسکرا کر جیٹھانی کی جانب دیکھا۔ جو دھیمی سی ہنسی ہنستے ہوئے بی جان سے مخاطب تھیں۔

"آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں، بی جان! بھلا اپنی بچیوں سے بڑھ کر مجھے اور کون ہو سکتا ہے۔" انہوں نے پیار سے پہلو میں بیٹھی رشنا کی طرف دیکھا تو اس کی پلکیں بے اختیار لرز اٹھیں۔

"اور نہیں تو کیا۔ جب خاندان میں۔۔۔"

"بی جان آپ کی کون سی دوا لانی ہے؟" زائر کی اچانک آمد پر وہ بے اختیار اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں، جو باہر جانے کی تیاری میں تھا، جبکہ رشنا کا دل اسے یوں اچانک سامنے پا کر نہ جانے کیوں بے تحاشا دھڑک اٹھا تھا ناچاہتے ہوئے بھی اس کے چہرے نے تیزی سے رنگ بدلا تھا۔

"خیر تو ہے، یہ آپ تینوں مسکرا کیوں رہی ہیں؟" ایک نظر عاصمہ بیگم کے سپاٹ چہرے پر ڈالتے ہوئے اس نے دادی، ماں اور چچی کی جانب دیکھا۔ رشنا کو وہ عادتاً" نظر انداز کر گیا تھا۔

"بس یونہی! اچھا تم ذرا یہ سیٹ تو دیکھو۔ کیسا ہے؟" نعیمہ نے اسے ٹالتے ہوئے، قصداً" پاس بیٹھی روشنی کی جانب متوجہ کروایا۔ تو رشنا جو پہلے ہی گھبرائی بیٹھی تھی۔ یک لخت بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور وہ جو اب تک اس کی موجودگی فراموش کیے ہوئے تھا، آن کی آن میں جیسے پلک تک جھپکنا بھول گیا۔

نرم گلابی چہرے پر چمکتے پسینے اور آویزوں کے عکس میں، رخساروں پر سایہ فگن لرزتی گھنیری پلکوں نے ناچاہتے ہوئے بھی یک لخت دل کو اس ہی عجیب سے احساس سے دوچار کر ڈالا تھا، جسے اس روز بھی وہ محسوس کر چکا تھا۔ مگر اس پل نہ جانے کیوں اس کے لیے سر جھٹک کر نظریں چرانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو چلا تھا۔

جبکہ دوسری جانب مقابل کھڑی رشنا نے تیزی سے آگے بڑھنا چاہا تھا۔ مگر جونہی نگاہیں زائر کی نگاہوں سے ٹکرائیں، ایک عجیب سی جھجک نے اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا۔

"ایک ایسا ہی سیٹ تمہاری دلہن کے لیے بنوا لوں؟" نعیمہ بیگم کی آواز آن واحد میں زائر کو اس خواب کی سی کیفیت سے باہر نکال لائی تو وہ بری طرح

چونکتے ہوئے خود میں لوٹ آیا۔
"امی پلیز! مجھ سے یہ عورتوں والے سوال مت پوچھا کریں۔" وہ تیزی سے پلٹ کر سائیڈ ٹیبل کی دراز میں بڑی بی جان کی میڈیسنز الٹ پلٹ کرنے لگا۔ تو رشنا بھی بے اختیار اک اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے، اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے لگی۔ جس کی بدولت آج اسے ایک انتہائی اکورڈ سچویشن کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ یہ جانے بنا کہ جس لمحے کو کوستی ہوئی وہ خود پر جھنجلا رہی تھی۔ وہ ہی ایک پل کسی بے نیاز شخص کو بہت مہنگا پڑ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا؟" زائر منصور کی بے یقینی اور تحیر تھا کہ ختم ہونے میں نہ آرہا تھا۔ "محبت" اس کے لیے انہونی یا ناقابل قبول جذبہ نہ تھی۔ لیکن جس ہستی سے محبت کا یہ جذبہ اچانک ہی مشروط ہو چلا تھا، اس کا وجود زائر کے لیے کسی طور قابل قبول نہ تھا۔
یہ احساس کہ کل تک جو باعثِ نفرت تھی آج یکایک باعثِ محبت بن چلی تھی، خاصا مضحکہ خیز اور ڈرامائی سا محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن کیا، کیا جاتا کہ ان سب کے باوجود یہ احساس خاصا طاقت ور تھا۔ جبھی تو زائر کی تمام تر شعوری کوششوں کے باوجود دل اس انوکھے احساس سے پیچھا چھڑانے میں ناکام رہا تھا۔
بستر گھنٹے ہو چلے تھے اسے اس عالم بے یقینی میں سفر کرتے اور خود سے لڑتے ہوئے۔ لیکن دل ابھی بھی اسی پل کا قیدی تھا، جہاں ہزاروں بار کے دیکھے ہوئے سادہ سے چہرے نے اسے کچھ اس طرح سے اپنے حصار میں جکڑا تھا کہ وہ اپنی ساری نفرت اور عداوت بھلائے ایک بالکل نئی راہ کا مسافر بن بیٹھا تھا۔
رشنا کا یہ روپ پہلے کہاں تھا، وہ جاننے سے قاصر تھا، زائر کی اپنی ذات اس پل اتنی کمزور کیسے ہو چلی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا۔ اسے تو اس الجھن کا بھی کوئی سرا مل کے نہ دے رہا تھا کہ آیا اس کی اٹھائیس سالہ نفرت ایک جھوٹا بودہ جذبہ تھی جو محض ایک پل سے مات کھا گئی، یا آج تک وہ خود کو نفرت کے محض دھوکا دیتا آیا تھا، وگرنہ محبت کا یہ جذبہ تو شروع سے ہی اس کے اندر پنپ رہا تھا۔ بس ایک اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔
بہر کیف جو بھی تھا، زائر جیسے انا پرست کے منطق سے عاری اس یکایک پیدا ہونے والے اس محبت کو قبول کرنا آسان ہرگز نہ تھا۔ اور نہ ہی یک اس ہستی کو اس نئی حیثیت سے عزت اور مقام جس کی ذات کی وہ آج تک علی الاعلان نفی کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ اچانک ہی اس دل میں آ بیٹھی تھی۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک کہ وہ اسے ناپسند کرتی تھی۔ رشنا سے اس کا پہلا نفرت کا تھا، اس نفرت کا جو بے معنی نہ تھی۔ اور دل تو اپنی خود غرضی میں فراموش کر چکا تھا، لیکن اور عزتِ نفس فراموش کرنے کو تیار نہ تھی۔
ویسے بھی اس ہستی کی راہ میں اپنی محبت کے بکھیرنا، جو آج تک اپنے زعم میں زائر کو نظر کر کے، اپنے تئیں اس کی نفرت کا جواب دیتی تھی، زائر کے نزدیک ہارنے کے مترادف تھا۔ جو اسے کسی صورت منظور نہ تھا۔ اور پھر اس کی عجیب و غریب محبت کا گواہ تھا بھی کون؟ اس کا دل ایک لمحہ، بس! جبکہ اس کی نفرت کی تو ایک دنیا تھی۔ پھر بھلا جو جذبہ اس سے اب تک اپنا آپ پایا تھا، وہ کسی اور کو قائل کیسے کر سکتا تھا۔ سوائی سربلندی اور دنیاداری کو ہی سہی، لیکن اس نے دل سسکنے کے باوجود، رشنا ظہیر سے اپنا پہلا رشتہ نبھا فیصلہ کیا تھا۔
مگر اپنے اس فیصلے کے باوجود رشنا سے اس رویے میں لاشعوری طور پر ہی سہی لیکن کافی حد تبدیلی آئی تھی۔ جسے رشنا کے ساتھ ساتھ باقی کزنز نے بھی محسوس کیا تھا۔
بات بے بات روشنی کی بے عزتی کرنے والا کے وجود کو برداشت نہ کرنے والا ایک لخت ناصرف کی ذات کو خاموشی سے قبول کرنے لگا تھا۔ بلا

کلامی سے بھی گریز کرنے لگا تھا۔ جس پر اور نے تو بنا کچھ جتائے سکھ کا سانس لیا تھا۔ لیکن کی چھٹی حس نے اسے کسی انہونی کا احساس ہوئے الرٹ کر دیا تھا۔ زائر منصور یکایک اپنی سالہ روش سے ہٹ کر چلنے لگے، وہ بھی بنا وجہ کے، یہ حیرت انگیز تبدیلی اس کے نزدیک میں سے تھی۔ مگر جو کچھ وہ پچھلے چند دنوں سوس کر رہی تھی، وہ بھی کچھ کم حیران کن نہ

ائر کی آنکھیں، رشنا سے اپنی نفرت، بے زاری اور کا اظہار بھلا دیں اور اس کے لب رشنا کے لیے زہر اگلنا بھول کر ہمہ وقت خاموشی کے قفل خود رکھیں، یہ سب خاصا اچنبھے کا باعث تھا۔
سب کیونکر ممکن ہوا تھا، وہ سمجھنے سے قاصر ہاں لیکن اس سارے سلسلے میں وہ ایک بات جانتی تھی کہ زائر کے رویے میں اس بدلاؤ کا نہیں نا کہیں اس روز سے ضرور تھا، جس روز وہ بی جان کے کمرے میں موجود تھے۔ تو کیا زائر نے اور نعیمہ بیگم کی گفتگو سن لی تھی؟ یہ سوچ اگر جانب اس کا دل تیزی سے دھڑکا دیتی، وہیں طرف دماغ کی سرزنش اسے آن واحد میں اس کو بھولنے نہ دیتی کہ زائر اس سے نئی دشمنی تو کتا ہے، لیکن نیا رشتہ کبھی نہیں! وہ زمین آسمان تو کر سکتا ہے لیکن رشنا سے شادی کبھی نہیں
۔
اگر یہ وجہ نہیں تھی تو اس تبدیلی کا کیا محرک سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل اور اعصاب بوجھل تھے۔
بھی وہ لان میں تنہا بیٹھی، اس معمے کو سلجھانے وف تھی۔ مگر جب اس پہیلی کا کوئی بھی سرا نہیں دیا تو بالا آخر تھک کر اس نے آنکھیں ہوئے دور تک پھیلے سیاہ آسمان اور اس پر چمکتے ستاروں کی جانب دیکھا تھا۔ اپنی سوچوں وہ یونہی کرسی کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ جب دفعتاً اسے اپنا وجود کسی کی نظروں کے حصار میں محسوس ہوا تھا۔ بے اختیار تیزی سے سیدھی ہوتے ہوئے اس کی نظریں لان میں لگے اونچے اونچے درختوں کی اندھیری شاخوں سے الجھتی ٹیرس پر جا ٹکی تھیں۔ جہاں مدھم سی روشنی میں اسے جن نگاہوں کا گمان ہوا تھا، انہوں نے اسے بے یقینی کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سے احساس سے دوچار کر ڈالا تھا۔ اسی عجیب سے احساس سے، جو اس روز زائر کے مقابل کھڑے ہونے پر اسے خود میں سرائیت کرتا محسوس ہوا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے شک کو یقین میں بدلتی، ٹیرس پر موجود وجود میں تیزی سے حرکت ہوئی اور اگلے ہی پل وہ اس کی حیران نگاہوں کے سامنے سے اندھیرے میں اوجھل ہو گیا تھا۔
ساری رات وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن اس کشمکش میں مبتلا رہی تھی کہ آیا جو کچھ ایک لمحے کے لیے آنکھوں نے دیکھا تھا، وہ سچ تھا یا محض بوجھل دماغ کا کرشمہ! لیکن جوں جوں وہ اس نئے مسئلے پر غور کرتی چلی گئی، گتھی سلجھنے کے بجائے الجھتی چلی گئی۔ تاوقتیکہ تھک کر وہ خود ہی اس ساری پریشانی کو ایک طرف رکھتے ہوئے پلکیں موند گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یار! تمہیں نہیں لگتا، زائر منصور صاحب کچھ سدھر سے گئے ہیں؟" ردا نے چائے کا سپ لیتے ہوئے پرسوچ انداز میں گیٹ سے باہر نکلتی گاڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پانچوں اس وقت لان میں بیٹھی، شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ جب ٹریک سوٹ پہنے، ہاتھ میں گاڑی کی چابی اٹھائے، زائر اپنی روٹین کے مطابق جم جانے کے لیے پورچ میں داخل ہوا تھا۔
اسے دیکھتے ہی ردا کی نظروں کے سامنے آج دوپہر کا واقعہ گھوم گیا تھا۔ جب وہ زائر کی جانب سے رشنا کے لیے کسی سخت جملے کی توقع کر رہی تھی، لیکن وہ اس کے خیال کے برعکس خاموشی سے بنا کوئی تیر چلائے، یا سر

سے گفتگو میں مصروف ہو گیا تھا۔

"کچھ نہیں، محترم بہت سدھر گئے ہیں۔" امی نے چپس منہ میں رکھتے ہوئے تصحیح کی تو ردا اور نادیہ، جن کا کافی دنوں کے بعد بی جان کی طرف چکر لگا تھا، بری طرح چونک گئیں۔

"ویری اسٹرینج! لیکن کیسے؟" نادیہ نے ایک نظر خاموشی سے چائے پیتی روشی پر ڈالتے ہوئے حیرت سے استفسار کیا۔

"دیٹ وی ڈونٹ نو ایز ویل۔ لیکن وجہ چاہے کچھ بھی ہو، ہم سب نے تو اس چینج پر اللہ کا شکر ادا کیا ہے۔" امی مسکراتے ہوئے بولی۔

"نو وے! زائر جیسے اکھڑ میں اتنا بڑا چینج، وہ بھی بنا کسی وجہ کے؟ میں نہیں مان سکتی۔ ضرور کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔" ردا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے روشی کی سوچ کو زبان دی، تو ناچاہتے ہوئے بھی اس کا پورا دھیان ردا کی جانب مبذول ہو گیا۔ شاید کوئی سرا ہاتھ لگ جائے!

"کیا مطلب؟" اب کے ثنا نے حیرت سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں، دل کی بربادی کے آثار نظر آتے ہیں!" ردا نے معنی خیزی سے روشی کی جانب جھکتے ہوئے ثنا سے کہا۔ تو رشنا کا دل کچھ اس تیزی سے ڈوب کر ابھرا کہ ہاتھ میں پکڑا کپ کانپ کر رہ گیا۔

"آر یو ان یور سینسز؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" ایمن نے پھٹی پھٹی بے یقین نظروں سے ردا کو گھورتے ہوئے کہا۔ ثنا اور نادیہ کی حالت بھی کم و بیش امی جیسی ہی تھی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ آفٹر آل محبت ایک جادوئی لمحے کا تو کھیل ہے۔" وہ مزے سے کرسی جھلاتے ہوئے بولی۔ تو بے اختیار رشنا کے ذہن میں وہ پل روشن ہو گیا۔ جب بی جان کے کمرے میں زائر کے مقابل کھڑے اسے ایک عجیب سا احساس اس کی نگاہوں سے خود میں سرائیت کرتا محسوس ہوا تھا۔

"میں نہیں مان سکتی!" امی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ردا کی لاجک کو ماننے سے انکار کیا۔

"یہ بات ہے، تو چلو پھر پتا لگا کر دیکھتے ہیں۔" چیلنجنگ انداز میں گویا ہوئی۔ تو وہ تینوں بھی نئے پزل کو سولو کرنے کے خیال سے زور و شور مختلف آئیڈیاز ڈسکس کرنے لگیں۔ جبکہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ رشنا کی نگاہوں کے سا ایسے بہت سے لمحات آن ٹھہرے تھے، جب نظروں کے ارتکاز نے اسے بے اختیار چونکنے پر کر دیا تھا۔

ردا کے الفاظ نے انجانے میں ہی سہی لیکن الجھی ہوئی گتھی کا ایک سرا اس کے ہاتھ تھما دیا جوں جوں وہ اس نہج پہ سوچتی چلی گئی زائر کے بد رویے سے لے کر اس کی خاموشی اور رشنا آنکھیں چرانے تک، ہر عمل کی از خود وضاحت چلی گئی۔

یہ سب کیسے ممکن ہوا تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔ کے اس اندازے میں کس حد تک سچائی تھی، وہ حقیقت سے بھی ناواقف تھی۔ اس کے لیے تو فق سوچ، یہ احساس ہی کافی تھا کہ زائر منصور اس سے کرنے لگا ہے۔ اسے سوچنے لگا ہے۔ اسے یقین نہ آرہا تھا کہ اس کی خاموش دعائیں مستجاب ہو تھیں۔ اور اللہ نے زائر کی بے تحاشا نفرت کے شعلوں کو محبت کی ٹھنڈک میں تبدیل کر کے اس کے دل یکطرفہ محبت کے عذاب سے ہمیشہ کے لیے نجات دی تھی۔

کتنے ہی دن اور کتنی ہی راتیں، اس نے ادھوری خوشی کو محسوس کرتے ہوئے گزار دی جو اس روز مکمل ہو کر، اسے شاید دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی بنا دیتی، جس روز اس کی محبت کو "اقرار" ایقان بخشا جانا تھا۔ اور اس روز کا اسے شدت خاموش انتظار تھا۔

☼ ☼ ☼

زائر اپنے کمرے میں بیٹھا ایک اہم فائل اسٹ

رہا تھا، جب دفعتاً دروازے پر دستک دیتی نعیمہ اندر چلی آئیں۔

"امی! آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھے بلا لیا ہوتا۔" انہیں آتا دیکھ کر وہ رائٹنگ ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تکلیف کیسی بیٹا۔ ایک ضروری بات کرنی تھی، سو چلی آئی۔ تم مصروف تو نہیں تھے؟" انہوں نے ایک نظر کھلی فائل پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ تو وہ ان کا تھامے کاؤچ پر آ بیٹھا۔

"اگر مصروف بھی تھا، تو اب نہیں ہوں۔ آپ آرام سے بیٹھیں اور بات کریں۔" وہ ان کے برابر ٹکتے ہوئے سعادت مندی سے بولا، تو اس کی اس ادا پہ ہمیشہ کی طرح اندر ہی اندر نہال ہو اٹھیں۔

"بات یہ ہے کہ بیٹا کہ ہم سب چاہتے ہیں کہ اب تمہاری اور فرحان کی شادی ہو جائے، سو کل رات اس سلسلے میں بی جان نے تمہاری پھپھو، پھپھا سمیت ہم سب کے سامنے اپنی چند خواہشات کا اظہار کیا ہے۔ جس پر اور کسی کو تو نہیں لیکن عاصمہ کو تھوڑا سا اعتراض ہے۔ لیکن چونکہ آخری فیصلے کا اختیار بی جان نے تم بچوں کو سونپا ہے، سو میں چاہتی ہوں کہ تم کھل کر بنا کسی جھجک کے مجھ سے اپنے خیالات شیئر کرنا۔" انہوں نے تمہید باندھتے ہوئے زائر کی جانب دیکھا، جو بنا کسی تاثر کے خاموشی سے ان کی بات سن رہا تھا۔

"بی جان چاہتی ہیں کہ تمہاری اور فرحان کی شادی خاندان میں ہی ہو۔ ان کی خواہش ہے کہ تمہارا رشتہ رشنا سے اور فرحان کا ردا سے کر دیا جائے۔" اس کے چہرے پر نگاہ جمائے انہوں نے بات مکمل کی تو وہ، جس کا دماغ ایک ہی نقطے پر کھول اٹھا تھا، بظاہر رسان سے گویا ہوا۔

"آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔" اس غیر متوقع سوال انہوں نے تعجب سے بیٹے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور عاصمہ چچی؟"

"ہاں عاصمہ کو اعتراض ہے۔ وہ رشنا کا رشتہ اپنے بڑے بھائی کے ہاں کرنا چاہتی ہے۔"

"تو بس ٹھیک ہے۔ رشنا کا رشتہ وہیں ہو گا۔" وہ دل پہ ضبط کے کڑے پہرے بٹھاتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولا تو نعیمہ بیٹے کا چہرہ دیکھ کر رہ گئیں۔ جہاں آنکھوں میں سرخی کے سوا دوسرا کوئی تاثر نہ تھا۔

"اور تمہارا؟"

"مجھے رہنے دیں۔ میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا۔" وہ اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ نعیمہ الجھی الجھی نگاہوں سے اس کی پشت کو دیکھے گئیں۔ جس کا رویہ اور انداز دونوں ہی ناقابل فہم سے تھے۔

"لیکن میں تمہارے بابا کو کیا کہوں گی؟ وہ اس سال کے اندر اندر تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"امی پلیز! یہ ضروری تو نہیں کہ اسی سال شادی کی جائے۔" اب کے وہ قدرے جھنجلا کر بولا تو نعیمہ چونک سی گئیں۔

"زائر! ادھر دیکھو میری طرف۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئیں تو وہ ان کی جانب رخ موڑ گیا۔

"تم کسی کو پسند تو نہیں کرتے؟" بغور اس کا چہرہ تکتے ہوئے انہوں نے نرمی سے پوچھا۔ تو چند لمحوں کے لیے وقت جیسے تھم سا گیا۔ دل، دماغ، انا تینوں میں چھڑی جنگ اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی۔

"نہیں!" دل نے تڑپ کر خون کے آنسو بہائے تھے اور دماغ نے آگے بڑھ کر اس حوصلے پر داد دی تھی۔ جبکہ انا اپنی سربلندی پر پھولے نہ سما رہی تھی۔

"تو پھر مجھے کیوں ستا رہے ہو بیٹا؟" بے اختیار ان کی آنکھیں بھر آئیں تو زائر جیسے تڑپ اٹھا۔ یہ ماں کے آنسو ہی تو تھے، جو اس سے کسی طور اور کبھی بھی برداشت نہیں ہوتے تھے۔

"امی پلیز! آپ رو کیوں رہی ہیں۔ اچھا میں۔ میں شادی کے لیے تیار ہوں۔" اس نے تھک کر بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔ نعیمہ آن واحد میں جیسے کھل اٹھی تھیں۔

"تو پھر بتاؤ اگر رشنا نہیں تو مہو کیسی رہے گی؟" آنسو صاف کرتے ہوئے انہوں نے اپنی بھانجی کا نام لیا

توزائر کی نگاہوں میں ضدی اور تند خو مہرین کا سراپا گھوم گیا' جو عصمت خالہ کی بیٹی تھی۔

"رشنا نہیں تو کوئی نہیں!" بے اختیار دل نے مچل کر دوہائی دی تھی۔ محبت نے آگے بڑھ کر دامن تھاما تھا۔ لیکن وہ دونوں کی فریاد ان سنی کر گیا۔

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اسے اپنی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ جب رشنا نہیں تو پھر چاہے کوئی بھی ہوتا' دل کو اب کیا فرق پڑنے والا تھا۔

"تو بس ٹھیک ہے۔ میں آج ہی سب سے بات کر کے' ایک دو دن تک عصمت سے ذکر کرتی ہوں۔"

وہ اس کی ٹھنڈی برف پیشانی چومتے ہوئے کمرے سے نکلتی چلی گئیں۔ تو زائر جیسے نڈھال سا ہو کر نزدیک پڑی راکنگ چیئر پر گر سا گیا۔ اپنے ہاتھوں' اپنی محبت گنوا کے' اپنے دل کی بستی اجاڑ کر وہ کس قدر اذیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ کوئی اس کی روح سے پوچھتا' جسے نارسائی کے نا ختم ہونے والے عذاب کا اذن سنا دیا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے پوچھتا' جہاں بے تحاشا جلن اتر آئی تھی۔ اس جلن کو کم کرنے کے لیے بے اختیار اس نے اپنی پلکیں موندلی تھیں۔ اور تبھی دامن سے لپٹی ماضی کی یادیں از سر نو تازہ ہونے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ہر رویّے کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ' کچھ مخصوص حالات کار فرما ہوتے ہیں' اور اگر ان حالات' ان رویوں کا تعلق بچپن سے ہو تو اثرات اتنے دیرپا اور مضبوط ہوتے ہیں کہ شخصیت کا لازمی جزو بن جاتے ہیں۔ اور یہی المیہ زائر منصور کی ذات کا بھی تھا۔ جس کی بچپن کی خوشگوار یادوں میں ایسے بہت سے تلخ لمحات بھی شامل تھے۔ جس میں اس کے ننھے سے دل نے اپنی ماں کے دکھ کو شدت سے محسوس کیا تھا۔ اس ماں کے دکھ کو جو اتنی صلح جو اور محبت کرنے والی طبیعت رکھتی تھیں کہ گھر کے نوکر تک ان کے اچھے اخلاق کے گرویدہ تھے۔ انہیں یہ تکلیف پہنچانے والی کوئی اور نہیں بلکہ عاصمہ ظہیر تھیں۔

ظہیر چچا بی جان اور آغا جان کی چار اولادوں میں سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے تھے۔ جبکہ منصور احمد' فاروق احمد اور شہناز تینوں ان سے بڑے تھے۔ عاصمہ' ظہیر چچا کے دوست کی بہن تھیں۔ جن سے انہوں نے آغا جان کی وفات کے محض ایک سال بعد' پورے خاندان کی مخالفت کے باوجود لڑ جھگڑ کر شادی کی تھی۔ لیکن اس کے بعد وہ خود بھی کبھی خوش نہ رہ سکے تھے۔ وجہ وہی اعتراضات تھے' جنہیں چچا شادی سے پہلے اہمیت دینے کو تیار نہ تھے۔ لیکن جنہیں شادی کے بعد برداشت کرنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ نتیجہ وہی ہوا' جو ایسے حالات میں ہوتا ہے۔

روز' روز کی بحث اور لڑائی نے گھر کے پرسکون ماحول کو برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ روزانہ کی یہ ٹینشن اگر ظہیر چچا کے کمرے تک بھی محدود رہتی تو بھی ٹھیک تھا۔ لیکن عاصمہ چچی کی زبان کے آگے تو جیسے خندق تھی' جسے نہ بڑوں کا لحاظ تھا اور نہ چھوٹوں کی تمیز۔ وہ جس قدر زبان دراز خاتون تھیں' اس سے بڑھ کر تندخو اور بد لحاظ واقع ہوئی تھیں۔

صبر اور برداشت جیسے الفاظ چونکہ ان کی لغت میں نہ تھے' سو ان کی بد تمیزیوں کی بھی کوئی حد نہ تھی۔ جن کی زد میں بی جان سے لے کر ان کی دونوں جیٹھانیاں اور تین سالہ ننھا زائر تک اس طرح سے آتا کہ اس کا چھوٹا سا دل سہم کر رہ جاتا۔ اور وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے کبھی تن فن کرتی چچی کو اور کبھی اپنے سنسناتے گال کو سہلائے چلا جاتا' جہاں چچی کی انگلیاں اکثر و بیشتر اپنے نشان چھوڑ جاتی تھیں۔

اس کا اپنا بھائی فہد اور عفت چچی کا فرحان چونکہ اس سے چھوٹے تھے سو عاصمہ چچی کے عتاب کا نشانہ اس درجہ نہ بنتے تھے' جتنا کہ وہ جو ایسی عمر سے گزر رہا تھا' جب بچوں کی شرارتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں اور وہ اچھے برے رویوں میں نا صرف تمیز کر سکتے ہیں' بلکہ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والوں سے نفرت اور بے زاری بھی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اور زائر تو شروع

...ے ہی بے حد حساس بچہ تھا' جو نا صرف عاصمہ چچی کے تلخ رویوں کو بری طرح محسوس کرتا تھا' بلکہ ان کی ہر زیادتی پر اپنی ماں کی آنکھوں میں بھر آنے والے خاموش آنسوؤں کو بھی نظر انداز نہ کر پاتا تھا۔ ایسے میں عاصمہ چچی کے ہاں رشنا کی پیدائش' اس کے اندر سوائے نفرت اور چڑ کے تیسرا کوئی احساس نہ جگا پائی تھی۔

وہ گھر کے تمام بچوں کے ساتھ ہنستا کھیلتا شور مچاتا' لیکن جونہی وہ چھوٹی سی گڑیا اس کے قریب آتی وہ دانت پیس کر اسے دھکا دینے' تھپڑ مارنے سے باز نہ آتا۔ جس کے بعد وہ تو جو روتی سو روتی' لیکن عاصمہ چچی جو طوفان اٹھاتیں' اسے وہ چمکتی آنکھوں سے دیکھتا ان کی پہنچ سے دور بھاگ جاتا۔ یہ احساس کہ اب وہ بھی انہیں تکلیف پہنچا سکتا ہے' اسے بار بار رشنا کو رلانے اور تنگ کرنے پر اکساتا۔ اور یوں وہ بنا کسی قصور کے' زائر کی ان تمام سزاؤں اور نفرت کی حق دار ٹھہرنے لگی' جو وہ عاصمہ چچی کو دینا چاہتا تھا۔

گزرتے وقت کے ساتھ رفتہ رفتہ بہت کچھ تبدیل ہوتا چلا گیا۔ بڑے بوڑھے اور بچے بڑے ہو گئے تھے۔ ظہیر چچا کو تو جیسے چپ ہی لگ گئی تھی' لیکن چچی کی مزاج کی گرمی آج بھی ویسی ہی تھی۔

پھپھو کے ہاں یاسر کے بعد ردا اور نادیہ اور عفت چچی کے ہاں فرحان کے بعد ذیشان' ایمن اور ثنا آچکے تھے۔ جبکہ عاصمہ چچی کے ہاں رشنا کے چار سال بعد علی اور اس کے دو سال بعد اریبہ کی پیدائش ہوئی تھی۔ لیکن ان دونوں کے ساتھ زائر کا رویہ بالکل نارمل تھا۔ جس کی وجہ سے شاید ان کے درمیان عمروں کا اچھا خاصا فرق تھا۔ وہ دونوں زائر سے بالترتیب آٹھ اور دس سال چھوٹے تھے۔ سو جس وقت وہ پیدا ہوئے' وہ اتنا سمجھدار ہو چکا تھا کہ خود کو اور اپنے جذبات کو سنبھال سکتا۔ لیکن رشنا سے جو بے زاری اور چڑ اول روز سے تھی' اسے گزرتا وقت بھی کم نہ کر پایا تھا۔ اس پہ مستزاد رشنا کا زائر سے گریز اور لاتعلق رویہ' وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس سے روڈ ہو جاتا' لیکن تب تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ جیسے ہی "محبت" نے اس کی زندگی میں قدم رکھا' دل' دماغ اور عزتِ نفس کے درمیان وہ گھمسان پڑا کہ وہ خود بھی الجھ کر رہ گیا۔ وہ کسی طور رشنا کی وجہ سے عاصمہ چچی کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اور جب معاف ہی نہیں کر سکتا تھا تو رشنا ظہیر تو کسی توجہ کی حق دار ہی نہیں ٹھہرتی تھی۔

اپنے طور پر وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ لیکن پھر بھی نظریں کبھی کبھار بے خود ہو جاتی تھیں۔ مگر آج کا عاصمہ چچی کا انکار تو گویا تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا تھا۔ اور وہ جو اتنے دنوں سے محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی روش بدل گیا تھا۔ آن واحد میں اس محبت کو روندتا ہوا دماغ کی آواز پر لبیک کہہ اٹھا تھا۔ جس کے بعد بظاہر تو سب ٹھیک تھا' بس ایک ذرا دل درد کی لپیٹ میں تھا۔ جسے جلد یا بدیر سنبھل ہی جانا تھا۔ اور اگر نہ بھی سنبھلتا تو بھی یہاں پروا کسے تھی۔

☼ ☼ ☼

رشنا کا خاموش انتظار بڑی خاموشی سے ہار گیا تھا۔ وجہ چاہے عاصمہ بیگم کا اپنے بھتیجے کی جانب جھکاؤ تھا یا زائر کا اس رشتے سے منع کرنا' دونوں ہی صورتوں میں مصلوب بہرحال رشنا کی بے لوث اور خاموش محبت ہی ہوئی تھی۔ جسے نہ جانے کیونکر یہ خوش فہمی ہو چلی تھی کہ شاید اب وہ یک طرفہ اور تنہا نہیں رہی۔

شاید ایسی انہونی خوش فہمی کی یہی سزا ہونی چاہیے تھی۔ لیکن پھر اگر محض ایک اس کی ذات ہی خوش فہم تھی تو ان سچائیوں سے کیا کہہ کر منہ موڑا جاتا جو زائر کی آنکھوں سے عیاں تھیں۔ لیکن شاید ایسی ادھوری اور گونگی سچائیاں اس لیے اتنی بہادری سے بیان کی جاتی ہیں کہ ضرورت پڑنے پر ان سے با آسانی منحرف ہوا جا سکتا ہے۔ اب ڈھونڈتے پھرو اپنے گواہ اور دلاتے پھرو اپنا یقین' وہ لمحے تو کھو گئے' جب کسی کی ذات نے آپ سے خاموش پیماں باندھے تھے۔

ایسی ادھوری ان کہی سچائیوں کے یہ پل جب ہاتھوں سے پھسلتے ہیں تو آپ کو بھی ادھورے کر جاتے

ہیں۔ یہ خالی ہاتھ نہیں جاتے، بلکہ آپ کا مان، اعتبار اور محبت سب کچھ اپنے ساتھ بہا لے جاتے ہیں۔ اور پیچھے رہ جاتا ہے اک اجڑا ہوا سا منظر، جہاں بھٹکتی پھرتی ہے آپ کی بے یقین ذات اور بکھری ہوئی وفائیں۔ جنہیں جتنی جلدی سمیٹ لیا جائے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ وگرنہ رہی سہی عزتِ نفس بھی خاک میں مل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

انسان بہت سی چیزوں کے بغیر زندگی گزار سکتا ہے، لیکن عزتِ نفس، خودداری اور وقار کے بنا قطعاً "نہیں" اور جو ایسا کرتے ہیں وہ پھر زندگی کو نہیں بلکہ زندگی انہیں گزارتی ہے۔ اور یہ چیز رشنا کو مر کے بھی منظور نہ تھی۔ اسے اپنا پندار اور عزت آج سے نہیں بلکہ شروع سے ہر شے سے بڑھ کر عزیز تھا۔

محبت اعزاز کی صورت ہی اچھی لگتی ہے، بھیک کی صورت نہیں! سو اگر زائر کے لیے رشنا کو کھونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا تو اس کے لیے بھی خود کو سنبھال کر، اسد کے لیے "ہاں" کرنا اتنا مشکل نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ حوصلوں کی کڑی آزمائش تھی۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہ تھا کہ سر اٹھا کر جینے کا جنون بہت سے پل صراط آسانی سے پار کروا دیتا ہے۔

☼ ☼ ☼

مجھ سے بچھڑ کر تو بھی روئے گا عمر بھر
یہ سوچ لے کہ میں بھی تیری خواہشوں میں ہوں

آج رشنا اور اسد کا نکاح تھا۔ نعیمہ بیگم کے ذریعے جب منصور صاحب اور بی جان تک زائر کا جواب پہنچا تو انہیں "حقیقتاً" بہت دکھ ہوا تھا۔ لیکن چونکہ ایسے معاملات میں ان میں سے کوئی بھی زور زبردستی کا قائل نہ تھا، سو رشنا کی مرضی جان لینے کے بعد سب کے باہمی مشورے سے جہاں بی جان نے عاصمہ کے بڑے بھائی مرتضیٰ رحمٰن کو ہاں کر دی تھی۔ وہیں عصمت کے گھر جا کے زائر اور مہرین کا رشتہ بھی طے کر دیا تھا۔

فرحان کا معاملہ چونکہ گھر کا تھا، سو جونہی زائر اور رشنا کے متوقع سسرال سے بات آگے بڑھی، گھر [...] چاروں طرف خوشگوار سی ہلچل مچ گئی۔

زائر اور فرحان کی شادی کی تاریخ ایک ہفتے کے [...] سے تین ماہ بعد کی رکھی گئی تھی۔ جبکہ مرتضیٰ صا[...] کے کہنے پر رشنا کا فی الحال صرف نکاح کیا جا رہا [...] رخصتی اگلے سال، اسد کی اکلوتی بہن کی شادی [...] ساتھ طے کی گئی تھی۔ جس کا منگیتر ایک سال کے [...] کسی کورس کے سلسلے میں آسٹریلیا گیا ہوا تھا۔

چونکہ رشنا کا صرف نکاح تھا، لہٰذا اس ذمے داری [...] پہلے ادا کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اور یوں محض بیس [...] کے اندر اندر وہ گھڑی بھی آن پہنچی، جب زائر [...] آنکھوں کے سامنے رشنا نے اپنی ذات ہمیشہ کے [...] کسی اور کو سونپ دی تھی۔ اور وہ فق چہرے اور بکھ[...] حوصلے کے ساتھ دیکھتا رہ گیا۔ جبکہ دل نے ترپ [...] آخری بار اسے پوری قوت سے پکارا تھا۔ لیکن [...] دل کی یہ پکار اچانک بلند ہونے والے مبارک سلام[...] کے شور میں کچھ اس طرح سے دبی تھی کہ اب [...] میں سوائے ویرانیوں کے دوسرا کوئی احساس باقی نہ تھا۔

دوبارہ وہ لان میں کافی دیر کے بعد آیا تھا۔ اور ایک جانب کھڑی امی، نادیہ اور ثنا کے منہ سے اپنا [...] سن کر وہ نا چاہتے ہوئے بھی ان کی جانب متوجہ ہو[...] تھا۔

"جی تو ردا صاحبہ! آج مجھے اسٹیج پہ زائر منصو[ر] صاحب تو کہیں دکھائی نہیں دے رہے۔ پس [...] ثابت ہوا کہ آپ کے اندازے بالکل آپ کی طر[ح] انتہائی بوگس اور نکمے ہیں۔ لہٰذا کم از کم آئندہ ہمار[ے] سامنے جیمز بانڈ کی جانشین بننے کی کوشش م[ت] کرنا۔" امی نے مسکراتے ہوئے انگلی اٹھا کر سا[منے] کھڑی ردا کو وارن کیا تھا۔ جو کندھے اچکاتے ہو[ئے] ہنس پڑی تھی۔

"بھئی میں نے تو اپنے تئیں معقول بات ہی [کی] تھی۔"

"واہ کیا معقول بات تھی۔ میرے خیال میں [...] رشنا سے محبت ہو چلی ہے۔ اسی لیے اس کا رو[یہ ...]

[...]ہے۔" ثنا نے منہ ٹیڑھا کر کے اس کی نقل اتاری [...]روں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔

[...]لہ زائر کے قدموں تلے جیسے زمین کھسک گئی [...] اس کے بدلتے رویوں نے سب کو چونکا دیا تھا۔ [...] مطلب ہے کہ رشنا... بے اختیار اس نے اپنی [...]اہیں سامنے اسٹیج پر ٹی پنک شرارے میں کسی [...] روپ لیے، اسد کے پہلو میں ایک نئی حیثیت [...]اہیں جھکائے بیٹھی رشنا پر ڈالی تھیں۔

[...] پل ایک عجیب سے لیکن مانوس احساس نے [...] اپنی جھکی پلکیں اٹھانے پر مجبور کیا تھا، اور... وہ [...]یا تھا کہ وہ دشمن جاں بھی نا صرف اس کے حال [...] واقف تھی بلکہ اس سے محبت بھی کر بیٹھی

[...]ب زندگی کا اتنا سا گوشوارا ہے
[...]یں نکال کر دیکھا تو سب خسارہ ہے

[...] اپنے ہاتھوں کیا گنوا بیٹھا تھا، اس کا اندازہ اسے [...] اور رہا تھا، جب کچھ بھی باقی نہ بچا تھا۔ زیاں کا [...] کچھ اس شدت سے زائر کے اندر جاگا تھا کہ وہ [...] سے زیادہ ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔ اور [...] پل ایک جھٹکے سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی [...] سے دور ہوتا چلا گیا۔ جس کے سینے میں ابھی [...] پہلے محبتوں بھرا ایک دل بڑی خاموشی سے اپنی [موت] آپ مر گیا تھا۔ آنکھوں میں پھیلتی نمی کو چھپانے [...] وہ تیزی سے ایک بار پھر نظریں جھکا گئی تھی۔ [...] کتنے ہی موتی دامن میں آگرے تھے۔

[...]ن بے حد شاندار رہا تھا۔ ہر ایک نے اسد اور [...] اوڑی کو سراہا تھا۔ ماموں کی فیملی بھی خلاف [...] خوش اور اسد بھی کافی پرجوش تھا۔ جبکہ [...] فیملی میں عاصمہ بیگم کی خوشی دیدنی تھی۔ [...] کے لیے آج کا دن اس لیے بے حد خاص [...] پیاری آپی کا نکاح تھا۔ اسد سے اگر ان کی [...] تھی تو انہیں کوئی ناراضی بھی نہ تھی۔ سو [...]وش اور مگن تھے۔ لیکن بی جان، تایا ابا اور [...] پر ایک عجیب سا ملال بکھرا ہوا تھا۔ جسے فنکشن کی گہما گہمی اور آنے والے دنوں میں شادی کی مصروفیات بھی کم نہ کر سکی تھی۔ لیکن اپنے پیاروں کی خوشی کے لیے وہ چاہ کر بھی کچھ نہ کر سکتی تھی۔ بلکہ وہ تو اپنی خوشی کے لیے بھی کچھ نہ کر سکی تھی۔ جو ہمیشہ کے لیے اس سے چھن چکی تھی۔

اس کے نکاح کو ڈیڑھ ماہ ہونے کو تھا۔ لیکن دل مضطرب آج بھی ان آنکھوں کے اسرار میں کھویا ہوا تھا۔ جن میں اپنے نکاح کی شام اس نے دکھ اور ملال کی عجب کیفیت دیکھی تھی۔ یا شاید یہ محض اس کی نظروں کا دھوکا تھا۔ وگرنہ زائر منصور بھلا کیونکر افسردہ ہو سکتا تھا۔ یہ سب کچھ اس کی ایما پر ہی تو ہوا تھا۔ رشنا کو پانا اس کے لیے کوئی مشکل تو نہ تھا۔ پھر اگر اس نے خود اپنی رضا سے مہرین کو اپنا ہم سفر بنانے کا فیصلہ کیا تھا تو شاید نہیں، بلکہ یقیناً" اس کے دل میں رشنا کے لیے نفرت کے سوا دوسرا کوئی جذبہ نہ تھا۔ لیکن پھر اس کی آنکھیں ایک بالکل الگ کہانی کیوں سناتی تھیں؟ وہ کیوں اس پر نفرت کے وہ شعلے برسانا بھول گئی تھیں۔ جن کی وہ ہمیشہ سے عادی رہی تھی۔ وہ کیوں سارا سارا دن گھر سے باہر اور رات گئے تک جاگنے کا عادی ہو چلا تھا؟

رشنا کو تو اس کی ادھوری بے نام محبت کا غم بے کل کیے رکھتا تھا۔ لیکن زائر کو یکا یک کون سا مرض لاحق ہو چلا تھا؟ سوال تو بہت سے تھے، لیکن جب جواب دینے والے سے ہی ہر تعلق ختم ہو گیا تھا تو اب ان بے معنی حقیقتوں کی کیا اہمیت رہ جاتی تھی۔ وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی، بہت حد تک سمجھ بھی رہی تھی۔ لیکن اب چونکہ انجان بنے رہنے میں ہی اس کی بہتری تھی، سو یہی طرزِ عمل وہ اپنائے ہوئے تھی۔

☼ ☼ ☼

"ذیشان! تم نے گجرے کہاں رکھے ہیں؟" وہ ذیشان کی تلاش میں چھوٹی امی کے کمرے میں داخل ہونے والی تھی۔ جب اسے سامنے سے آتا دیکھ کر وہ اپنی جگہ پر رک گئی۔

"فریج میں رکھے ہیں۔" وہ اس کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔ وہ بھی مسکرا کر سر ہلاتی ہوئی کچن کی جانب چل دی۔

فریج سے گجرے نکال کر انہیں تھال میں سجائے، وہ عجلت بھرے انداز میں سیڑھیاں چڑھتی تائی امی کے کمرے کی جانب بڑھی تھی، جب دفعتاً" نظر سامنے سے آتے زائر کی نظروں سے جا ٹکرائی تھی، جو اس سے محض چند قدموں کے فاصلے پر ٹھٹک کر رک گیا تھا۔

آج زائر اور مہرین کی مشترکہ مہندی تھی۔ چونکہ یہاں بھی معاملہ گھر کا تھا، لہٰذا مہندی کے فنکشن کو ایک ہی دن عصمت خالہ کے ہاں ارینج کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اور یوں آج ان سب کو مہرین کی مہندی لے کر "ہمدانی ہاؤس" جانا تھا۔ جہاں اس کے ساتھ ساتھ زائر کی رسم بھی ادا ہونی تھی۔

زائر کی بے چینی اور جھنجلاہٹ آج صبح سے اپنے عروج پر تھی۔ گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ لیکن وہ کسی کی پروا کیے بنا، صبح سے طبیعت خرابی کا بہانہ کیے 'منہ سر لپیٹے' اپنے کمرے میں پڑا تھا۔ جس پر اس کا خاصا ریکارڈ لگاتے ہوئے تمام دوست اور کزنز فہد کے کمرے میں جا گھسے تھے۔ جہاں آج ہنگامہ اپنے عروج پر تھا۔ جبکہ وہ اپنے صبر اور حوصلے کی آخری سیڑھی پر کھڑا خود کو آنے والے وقت اور کڑے امتحان کے لیے تیار کر رہا تھا۔ رشنا نے یہ زہر کا پیالہ اپنے اندر کیسے اتارا تھا، وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کے لیے تو اس کا تصور ہی سوہان روح تھا۔

سارا دن کشمکش اور ذہنی انتشار میں گزار کر وہ شام تک یونہی بنا کھائے پیے کسلمندی سے پڑا تھا۔ جب نعیمہ بیگم کی آمد اور زبردستی پہ اسے بالآخر بستر چھوڑ کر باتھ روم میں گھسنا ہی پڑا۔

بے دلی سے تیار ہوتا، وہ ماں کی ہدایت کے مطابق بی جان کی بات سننے کی غرض سے کمرے سے نکلا تھا۔ جب اچانک سامنے سے آتی روشی کو دیکھ کر قدموں نے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ تڑپتے، مچلتے دل کو کچھ اس سرعت سے قرار آیا تھا کہ ساری بے سکونی کہیں کم سی گئی تھی۔ پیاسی نگاہیں اک عالم بے خودی میں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ جو پھولوں کی مہک کے درمیان گھری، تذبذب کے عالم میں نظریں جھکائے، کانوں کے پیچھے آوارہ لٹیں اڑستی ہوئی اس کے سامنے سے ہٹنے کی منتظر تھی۔ مگر جب چند لمحوں کے توقف کے بعد بھی اس نے قدم آگے نہ بڑھائے تو رشنا نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا، جو نگاہوں میں شوق کا اک جہان آباد کیے اسے حیران کر گیا۔

ایش گرے راسلک کے کرتے اور وائٹ کلف لگی شلوار پہنے، بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ بھی وہ اس قدر وجیہہ لگ رہا تھا کہ اس کے لیے اپنے دل کو سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ لیکن محض ایک پل کے لیے! اگلے ہی لمحے وہ خود پہ قابو پاتی نگاہیں چرائے تیزی سے اس کے پہلو سے نکلتی تائی امی کے کمرے کی جانب بڑھی۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتی اندر سے باہر نکلتی اسے دیکھ کر رک گئی۔

"روشی کی بچی! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" دہلیز پر ہی اس کے ہاتھ سے تھال جھپٹتے ہوئے وہ بے اختیار چلائی۔

"یہ یہاں کیوں کھڑے ہو گئے ہیں۔" لابی میں اب تک جمے کھڑے زائر کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے اس نے جھنجلا کر سوچا۔

"میں بس جا ہی رہی تھی۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"چلو پھر فٹافٹ تیاری کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ اسد بھائی کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑے۔" وہ اس کی جانب جھکتے ہوئے شرارت سے بولی تو رشنا کا سر بے اختیار جھک گیا۔ جبکہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر ساکت کھڑے زائر کو اسد کے نام پر جیسے ہوش آگیا۔ دل ایک جھٹکے سے خواب کی سی کیفیت سے باہر آیا تھا۔

بے اختیار پلٹ کر اک گہری نظر رشنا کے چہرے پر ڈالتے ہوئے وہ اگلے ہی لمحے لمبے لمبے

سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ قدموں کی چاپ پر نے اپنا سر اٹھائے ہوئے تاسف سے دائیں دیکھا، جہاں نظریں محض اس شخص کی پشت ہی ٹکرا کر لوٹ آئی تھیں، جسے نہ جانے اب یہ کیوں سوجھ رہا تھا۔

"روشی یار! راستہ روکنے کی رسم ہمیں ابھی نہیں کرنی ہے۔" ثنا نے مسکراتے ہوئے اسے احساس تو وہ بے اختیار "آئی ایم سوری" کہتی ایک طرف گئی۔

"اٹس او کے۔ لیکن میرے خیال میں اب تمہیں تیار ہو جانا چاہیے۔"

"ہاں میں جا رہی ہوں۔ تم یہ گجرے رسم کے باقی کے ساتھ رکھ دو۔" وہ ہدایت دیتی تیزی سے پلٹی بات میں سر ہلاتی ایک بار پھر کمرے میں جا گھسی۔

☼ ☼ ☼

آنے والے ہر فنکشن کے لیے رشنا نے خود کو کھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن سوچنے اور عمل کرنے نا فرق ہوتا ہے، اس بات کا اندازہ اسے ہر اس ہوا تھا، جب خود کو محض ایک شخص کی نگاہوں جانے کے لیے اس نے نہ جانے کتنے جھوٹ تھے۔ ہر ممکن شعوری کوشش کے باوجود پھر بھی مواقعے آئے تھے، جب اس کے لیے پیچھے ر ہو چلا تھا۔ سوائے ہر موقعے پر اس نے زائر دیکھنے سے مکمل طور پر گریز کیا تھا۔ جس کی کو نظر انداز کرنے کے باوجود اس نے ان کی پنے وجود پر محسوس کی تھی۔

ر کے کھیل بھی عجیب تھے۔ جب اس نے ان میں اپنے لیے بے قراری دیکھنے کی تمنا کی تھی نفرت کے اور کچھ نہ پایا تھا۔ اور آج جب وہ وں میں فتح کی چمک دیکھنے کی خواہاں تھی تو وہاں دوں کی گرد صاف اڑتی دکھائی دیتی تھی۔ ار کر بھی جیت گئی تھی، یا زائر منصور جیت کر تھا، وہ اب تک اس معمے کو سلجھا نہ پائی تھی۔

اور ایسی الجھن میں اپنے برابر اسد کو اور زائر کے برابر مہرین کو دیکھنا بھی ضبط کا عجیب امتحان تھا۔ جسے دیتے دیتے اب تو وہ خود بھی اذیت کی اس لذت سے لطف اندوز ہونے لگی تھی۔ جو اس لمحے اپنے عروج پر آ پہنچی تھی، جب وہ تمام کزنز سمیت مہرین کو اس کے خوشبوؤں میں بسے اور روشنیوں سے سجے کمرے میں پہنچا کر خود اپنے اندھیرے کمرے کی تنہائیوں میں رات بھر پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی۔ یہ جانے بنا کہ اس کے علاوہ بھی یہ رات کسی پر فرض اور محبت کے درمیان لڑتے ہوئے بہت بھاری بہت اذیت ناک گزری تھی۔ جس میں جیت بالآخر فرض کی ہوئی تھی۔

کیونکہ وہ وجود جسے زائر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ و آلہ وسلم کو حاضر و ناظر جان کر اپنی ذات سے وابستہ کر کے اس گھر میں لایا تھا، اس کے ساتھ بنا کسی قصور کے وہ کسی بھی قسم کی حق تلفی کر کے اپنے دل اور روح کو مزید بوجھل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

طوفان آیا اور آ کر گزر بھی گیا۔ جس کے بعد دور دور تک سوائے گہرے سکوت کے اور کچھ بھی نہ بچا تھا۔ لیکن یہ سکوت بھی اس وقت بکھر گیا، جب فرحان اور ردا کی شادی کے محض تین دن بعد زائر نے کھانے کی میز پر سب کو اپنے ٹرانسفر کی خبر سناتے ہوئے، امریکہ جانے کی اطلاع دی تھی۔ جہاں ان کی کمپنی کا ہیڈ آفس تھا۔

اس اچانک اور انتہائی غیر متوقع صورت حال نے جہاں سب کو حیرت کا شدید جھٹکا دیا تھا، وہی خوشیوں بھرے اس ماحول میں یکایک افسردگی کی لہر بھی دوڑا دی تھی۔ بی جان، تایا ابا اور تائی امی نے تو چھوٹتے ہی اسے جاب چھوڑنے اور اپنی فیکٹری جوائن کرنے کے لیے کہا تھا۔ لیکن زائر کسی صورت نہیں مانا۔ اور مانتا بھی کیونکر؟ یہ سب اس کی اپنی بھاگ دوڑ کا تو نتیجہ تھا۔

جو حقیقت اس پہ رشنا کے نکاح کے روز عیاں ہوئی

تھی۔ اس کے بعد اسی رات اس نے یہاں نہ رہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اگلے دن سے ہی اپنا تمام تر اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے ٹرانسفر کی کوششیں شروع کر دی تھیں اور اب جب تین ساڑھے تین ماہ بعد اسے کامیابی کی نوید سنائی گئی تھی تو وہ بھلا کیسے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار سکتا تھا۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اسے دیار غیر اور وہاں جا کر دوسرے درجے کے شہریوں کی سی زندگی گزارنے والے ہمیشہ سے ناپسند رہے تھے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہ تھا کہ اس کے پاس اپنی اور رشنا کی زندگی کو مزید الجھنوں سے بچانے کے لیے دوسرا کوئی راستہ نہ بچا تھا۔

اپنے اور رشنا کے جذبوں سے پردہ اٹھ جانے کے بعد اسے ایک ہی چھت تلے رہ کر ہر آن اپنے ضبط اور اس کے حوصلوں کی آزمائش کسی طور منظور نہ تھی۔ اور پھر نئی زندگی اور اس کی ذمہ داریوں کو یوں رشنا کی موجودگی میں نبھانا بھی تو اس کے لیے آسان نہ تھا۔

ان تمام جھمیلوں سے جان چھڑانے کا اسے فقط یہی حل نظر آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گھر والوں کو منانا کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ لیکن وہ کسی قیمت پر بھی سکون کے اس واحد حل سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ چاہے اس کے لیے اسے سب کی وقتی ناراضی کیوں نہ جھیلنی پڑتی۔ جاب اور اس کی ذمہ داریوں کی آڑ اس کے لیے بہت معقول بہانہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود بی جان امی بابا سمیت سبھی بزرگ اس کی ضد سے بے حد نالاں تھے۔ جبکہ فہد بھی اس سے اس درجہ اجنبیت برتنے پر سخت خفا تھا۔

رشنا کو تو اس خبر نے جیسے گم سم سا کر دیا تھا۔ جانے والے پر نہ تو اس کا کوئی حق تھا اور نہ کوئی قرض! اس کا حساب کتاب تو بالکل صاف تھا۔ پھر بھلا وہ کس برتے پر اسے روک سکتی تھی۔ ویسے بھی جانے والوں کو کبھی کوئی روک سکا ہے؟ زائر بھی چونکہ فیصلہ کر چکا تھا۔ لہٰذا نا چاہتے ہوئے بھی وہ گھڑی آن پہنچی جب سب اسے اور مہرین کو ''سی آف'' کرنے ایئرپورٹ پر کھڑے تھے۔

فلائٹ رات تین بجے کی تھی سو بی جان کے اس پہر آنا ممکن نہ تھا۔ جبکہ عاصمہ بیگم کو چونکہ سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے گھر انہیں رخصت کرتے ہوئے کمرے کی راہ لی تھی۔ گھر کے تمام افراد رشنا سمیت اس وقت ایئرپور موجود تھے۔

نہ جانے کیوں وہ اس ستم گر کو آخری پہر تک سے خود کو روک نہ پائی تھی۔ جس کی اپنی درد م نگاہیں وقتاً'' فوقتاً'' اس کے چہرے کا طواف تھیں جو بے تاثر چہرے کے ساتھ خاموش تھی۔

سب سے فردا'' فردا'' ملنے کے بعد وہ آخر کے سامنے آ کھڑا ہوا تو رشنا کے لیے خود کو مزید ثابت کرنا دشوار ہونے لگا۔

''اللہ حافظ!'' چند لمحے اس کے جھکے چ آنکھوں کے رستے دل میں اتارتے ہوئے وہ سے کہتا جانے کے لیے پلٹ گیا۔ مبادا اس کا اور ہمت دونوں جواب دے جاتے۔

''اللہ حافظ!'' رشنا کی شکوہ کناں نگاہیں جا کی پشت کی جانب اٹھی تھیں۔ جو آخری لمحے اسے ہمیشہ کی طرح سوائے مایوسی اور دکھ کے ا دے کر گیا تھا۔

یہ شام یاد رکھنا!
تیری نگاہ سے جب
میں اپنی نگاہ چھڑا کر
پلٹ رہی تھی
تو تم نے کچھ بھی نہیں کہا تھا
نہ میں نے کچھ سنا تھا
مگر.....؟
ہوا میں نمی اچانک ہی بڑھ گئی تھی!!

٭ ٭ ٭

رشنا ٹرے اٹھائے عاصمہ بیگم اور ظ

چائے دینے ان کے کمرے میں داخل ہونے کو تھی، جب ادھ کھلے دروازے سے آتی آوازوں نے اس کے بڑھتے قدموں کو روک دیا۔

"تمہاری چیز ہے، جو مرضی چاہے کرو۔ لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دوں، اس طرح سودے بازی کے ذریعے رشتے نہیں کاروبار ہوا کرتے ہیں۔" پاپا کا غصہ ان کے لفظ لفظ سے عیاں تھا۔

باہر کھڑی رشنا کو نہ جانے کیوں محسوس ہوا تھا کہ اندر ہونے والی بحث کا تعلق اس کی ذات سے ہے۔

"کوئی سودے بازی نہیں ہوئی۔ میرے بڑے بھائی ہیں وہ۔ یہ رشتہ نہ بھی ہوا ہوتا تو بھی وہ مجھ سے جو چاہے مانگ سکتے ہیں۔" عاصمہ بیگم کی تیز آواز نے رشنا کے شک کو یقین میں بدلتے ہوئے اسے کسی گڑبڑ کا احساس دلایا تھا۔

"بہت خوب! کیا بڑے بھائیوں کا یہی فرض ہوتا ہے کہ وہ بہنوں سے شرائط پر رشتے نبھائیں؟" ظہیر صاحب نے طنزیہ لہجے میں پوچھا تھا۔

"کوئی شرط نہیں رکھی انہوں نے۔ بیٹی کو جہیز دینا دنیا کا دستور ہے۔ اگر ہم کچھ دیں گے تو کوئی انوکھی بات نہ ہوگی۔" عاصمہ نے جیسے کان پر سے مکھی اڑائی تھی۔

"انوکھی بات تو ہوگی عاصمہ بیگم! جہیز بیٹی کو دیا جاتا ہے، داماد کو نہیں۔ اور پھر یہ تو وہ اسپیشل جہیز ہے، جو رشتہ مانگنے سے پہلے طے کیا گیا تھا۔ بلکہ رشتہ مانگنے کی اصل وجہ ہی یہی تھی۔ اور تمہاری جرأت دیکھو کہ تم نے یہ بات کسی اور کو تو کیا، مجھ تک کو بتانے کی زحمت نہیں کی۔" ان کی ڈھٹائی پر ظہیر صاحب کا پارہ آسمان سے باتیں کرنے لگا تھا۔ جبکہ رشنا کا دل اس نئے انکشاف پہ دھک سے رہ گیا تھا۔ بے اختیار اس نے ہاتھ بڑھا کر دیوار کا سہارا لیا۔

"ہاں تو کیوں بتاتی میری چیز ہے، میری مرضی جسے چاہے دوں۔" وہ بنا کسی شرمندگی کے اپنی بات پر قائم رہیں۔ تو ایک پل کو ظہیر صاحب کا دل چاہا کہ وہ سامنے بیٹھی اس خودسر عورت کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دیں۔ جنہوں نے ساری عمر ان کا تماشا تو بنایا ہی تھا۔ لیکن آج اپنی بیٹی کی زندگی بھی داؤ پر لگا بیٹھی تھیں۔ اور اپنی اس غلطی پر انہیں کسی قسم کی کوئی شرمندگی نہ تھی۔ بلکہ وہ تو اسے سرے سے غلطی ماننے پر بھی تیار نہ تھیں۔

"میری طرف سے تم اپنے حصے کی جائیداد بھلے بھٹی میں جھونکو، مجھے کوئی پروا نہیں! مجھے تو صرف اپنی بیٹی کا سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے ہیں۔ جسے تم اپنے لالچی بھائی اور بھتیجے کے سپرد کر بیٹھی ہو۔ اور جو آگے نہ جانے اس کے ساتھ کیا کریں گے۔" اب کے وہ شدید غصے میں دھاڑے تو ماموں کی اس اچانک محبت اور نئی رشتہ داری کا سبب، جو وہ اب تک سمجھ نہ پائی تھی۔ آن واحد میں اس پر عیاں ہو چلا۔

"کچھ نہیں کریں گے وہ۔ اللہ نے چاہا تو بہت خوش رہے گی آپ کی بیٹی!" انہوں نے "آپ کی" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں کہ کتنی خوش رہے گی میری بیٹی۔" شکستگی کے احساس میں ڈھل کر یک لخت ان کی آواز دھیمی ہو گئی تو باہر کھڑی رشنا کے لیے مزید اپنے پاپا کا دکھ برداشت کرنا ناممکن ہونے لگا۔

تاسف، ملال اور بہت سی نئی سوچیں لیے وہ اگلے ہی پل واپس پلٹ گئی۔ ہاتھ میں پکڑی ٹرے، کچن میں رکھتے ہوئے وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ جہاں آنے والی اگلی کتنی ہی راتیں اس نے اپنی زندگی کے بارے میں جاگ کر سوچتے ہوئے گزار دی تھیں۔ جسے کسی اور نے نہیں بلکہ خود اس کی سگی ماں نے اپنی نادانی میں داؤ پر لگا دیا تھا۔ لیکن جس کے ساتھ وہ مزید کسی کو کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج اس کی سالگرہ تھی اور اسد اسے ڈنر کروانے شیرٹن لے کر آیا تھا۔ جہاں اس کے مقابل بیٹھے وہ خاصے خوشگوار موڈ میں کھانا کھاتے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا۔ جن کا جواب محض "ہوں، ہاں" میں دیتے ہوئے وہ خاصی الجھی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"کیا بات ہے، تم کچھ اپ سیٹ سی لگ رہی ہو۔" ولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے اسد نے بغور اس کا ائزہ لیا، جو بلیک ڈریس میں لائٹ سے میک اپ اور ک پرلز کی نفیس سی جیولری پہنے بہت خوبصورت ک رہی تھی۔

"فرینکلی اسپیکنگ میں کچھ نہیں خاصی اپ ٹ ہوں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ جیسے سی نتیجے پر پہنچتے ہوئے دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"کیوں؟ سب ٹھیک تو ہے؟" اسد نے گلاس ٹیبل رکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔ تو نا چاہتے ہوئے بھی رشنا ایک لمحے کو رک کر سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

"پتا نہیں مجھے اس سے یہ بات کرنی بھی چاہیے یا ہیں۔"

"اپنی پریشانی مجھ سے بھی نہیں شیئر کرو گی؟" اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے اسد نے جھک کر ی سے اس کا ٹیبل پر دھرا ہاتھ تھاما، تو وہ ایک پل کو نے ہاتھ پر اس کا ہاتھ دیکھ کر رہ گئی۔ اور آن واحد میں یسے فیصلہ ہو گیا۔

"اسد! ہمارے اس رشتے میں آپ کی مرضی کا کتنا ل دخل تھا؟"

"یہ کیسا سوال ہے؟" اسد نے حیرت سے اس کا تکتے ہوئے کہا۔

"میں نے کوئی مشکل بات تو نہیں پوچھی۔" اس یران آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بے تاثر لہجے میں ی۔

"ویل... میری زندگی اور میرے لائف پارٹنر کی ھی۔ تو ظاہر ہے میری مرضی سے یہ ہی رشتہ طے ا۔" اس کے عجیب سے انداز پر وہ خود کو سنبھالتا ہوا ل لہجے میں گویا ہوا۔

"یعنی ماموں نے آپ سے ہر پہلو پر ڈسکس نے کے بعد یہ پرپوزل دیا تھا۔"

"بالکل!" وہ پراعتماد انداز میں مسکرایا۔

"تو پھر امی کے حصے کی پراپرٹی آپ کے نام کرنے کی ھی یقیناً" آپ کے علم میں ہوگی۔" رشنا نے واشگاف الفاظ میں بات کو اصل موضوع کی جانب موڑا تو آن واحد میں اسد کے چہرے سے مسکراہٹ و اطمینان غائب ہوا تھا۔

"کون سی شرط؟ ہم نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی!" وہ تیزی سے سیدھا ہوتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔ تو بے اختیار رشنا کی نظر اپنے خالی ہاتھ پر جا ٹکی تھی۔

"ہاں البتہ پاپا سے پھپھو نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ اپنے حصے کی پراپرٹی تمہیں جہیز میں دینا چاہتی ہیں۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسد نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے سچویشن کو ایک بار پھر ہینڈل کرنا چاہا تو رشنا کا دل اس جھوٹ پر کھول کر رہ گیا۔ لیکن چونکہ معاملہ جوش کا نہیں، ہوش کا تھا، سو نا چاہتے ہوئے بھی وہ بظاہر رسان سے گویا ہوئی۔

"تو میں نے ایسا کوئی بھی جہیز لینے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ ان فیکٹ میں یہ بات آپ سے اسی لیے ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ آپ کا پوائنٹ آف ویو جان سکوں۔ اور اب جبکہ مجھے یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ آپ کی جانب سے ایسی کوئی فضول بات نہیں اٹھائی گئی۔ تو میرا یہ فیصلہ اور بھی مضبوط ہو گیا ہے۔" اس نے بڑے اطمینان سے اسد کی آزمائش کا سامان کر ڈالا۔ تو ایک لمحے کو اس کے چہرے نے تیزی سے رنگ بدلا۔ لیکن اگلے ہی پل وہ نہ جانے کیا سوچ کر مسکرا دیا۔

"جیسے تم مناسب سمجھو۔ لیکن آئندہ پلیز میری جانب سے اپنے دل میں کسی بدگمانی کو کبھی جگہ نہ دینا۔"

"ہوں... ٹھیک! میرے خیال میں اب ڈیزرٹ منگوا لیا جائے۔" گہری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے وہ مسکرا دی، تو اسد بھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے قریب سے گزرتے ویٹر کی جانب متوجہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے اسد سے کیا کہا ہے؟" وہ پاپا کے ساتھ

بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ جب تن فن کرتی عاصمہ اس کے سر پہ آکھڑی ہوئیں یہ بات ان تک تو پہنچنا ہی تھی۔ لیکن اتنی جلدی اس کا اندازہ نہیں تھا۔

"یہ ہی کہ آپ کی پراپرٹی جیسی کوئی چیز میں جہیز میں نہیں لانے والی۔" ریموٹ سے آواز کم کرتے ہوئے وہ نارمل لہجے میں گویا ہوئی تو ساتھ بیٹھے ظہیر صاحب بے اختیار چونک اٹھے۔

"تم کون ہوتی ہو بڑوں کے معاملات میں بولنے والی۔ یہ باتیں ہمارے طے کرنے کی ہیں تمہاری نہیں!" عاصمہ اسے گھورتے ہوئے غصے سے بولیں۔

"بے شک یہ بڑوں کے معاملات ہیں۔ لیکن ان معاملات کا تعلق بہرحال میری زندگی سے ہے۔ اور میں ایسا کوئی غلط فیصلہ نہیں کروں گی اور نہ آپ کو کرنے دوں گی کہ جس کے بعد میں دوسروں کے نزدیک محض شرائط منوانے کا ایک ذریعہ بن کر رہ جاؤں۔" ان کی جانب دیکھتے ہوئے وہ اطمینان سے بولی تو عاصمہ بیگم بھڑک اٹھیں۔

"دیکھ رہے ہیں آپ، یہ کس قدر خود سر ہو گئی ہے۔" وہ پریشان بیٹھے ظہیر صاحب کی جانب پلٹیں۔ تو وہ ایک نظر بیوی کے تنے چہرے پر ڈالتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگے، جو خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"بیٹا! آپ کو یہ قدم اٹھانے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے تھی کہ اسد سے آپ کا نکاح ہو چکا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے تو رشنا اک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"میں جانتی ہوں پاپا۔ لیکن آپ ہی بتائیں کہ جن لوگوں کو میری ذات سے کسی قسم کا کوئی لگاؤ ہی نہیں اور جو محض دولت کے پیچھے مجھے قبول کر رہے ہیں۔ اس گھر میں بھلا میری کیا وقعت، کیا زندگی ہو گی۔" آنکھوں میں آنسو لیے اس نے ظہیر صاحب کی طرف دیکھا، تو وہ اک ملامتی نگاہ سامنے کھڑی عاصمہ پر ڈال کر رہ گئے، جو خاموشی سے بیٹی کا چہرہ تک رہی تھیں۔

"روز، روز کے مرنے سے بہتر ہے کہ میں ایک ہی بار اپنی قسمت آزما لوں۔ اگر میرے نصیب میں ا... ساتھ لکھا ہے تو ہر مشکل خود بخود آسان ہو جا... لیکن اگر میری قسمت میں اس حوالے سے کوئی... جھیلنا رقم ہے تو آپ چاہے مجھے خزانوں کی ... کیوں نہ تھما دیں، میں وہاں کبھی نہ بس سکوں گی۔" آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تو عاصمہ بیگم کا دل ... سا گیا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو بیٹا۔ میں تمہاری ماں ہو... تمہارا برا چاہ سکتی ہوں بھلا؟ پھر ہمارا جو کچھ بھی ... ہمارے بچوں کا ہی تو ہے۔" اس کے پاس بیٹھتے ہو... انہوں نے پیار سے اس کا سر سہلایا۔

"امی! مجھے آپ کی محبت پہ کوئی شک نہیں۔ خلوص، محبت اور نیک نیتی کے بنا گھر نہیں بنتے ... بن جاتے ہیں وہ پھر گھر نہیں، مٹی کے گھروند... کہلاتے ہیں۔ جنہیں بکھیرنے کے لیے تقدیر کی ... ضرب ہی کافی ہوتی ہے۔" چند جملوں میں وہ بہت ... حقیقت ان کے گوش گزار کرتی، کمرے سے نکل گئی، تو عاصمہ بیگم کو زندگی میں شاید پہلی بار غلطی کے احساس نے شوہر سے نظریں چرانے پر مجبور کر دیا۔ سر پکڑے نہ جانے کن سوچوں میں غرق تھے۔

لیکن چونکہ یہ کوئی مذاق نہیں، بلکہ ان کی بیٹی کی زندگی کا معاملہ تھا۔ سو دل ہی دل میں اس کی ہر... سے متفق ہونے کے باوجود، وہ مسلسل اسے سمجھا... میں لگے ہوئے تھے۔ جو ان کی مجبوری سمجھتے ہو... بالآخر خاموشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ صحیح معنوں میں پریشان ہو گئے، جب دو دن بعد، مرتضیٰ رحمٰن اپنی بیوی عارفہ کو لیے ... ولا" آپہنچے۔ جہاں تمام گھر والے لاؤنج میں بیٹھے ... کی چائے پی رہے تھے۔

"السلام علیکم بی جان!" اندر آتے ہوئے ا... نے خاصے لٹھ مار انداز میں سلام کیا۔ تو بی جان ... سبھی نے مڑ کر داخلی دروازے کی جانب دیکھا، ... مرتضیٰ صاحب اپنی بیگم سمیت خاصے اکھڑے ... تیور لیے کھڑے تھے۔

"وعلیکم السلام! مرتضیٰ بیٹے وہاں کیوں کھڑے ہو، اندر آؤ۔" بی جان ان کا چہرہ تکتے ہوئے محبت سے گویا ہوئیں تو منصور صاحب سمیت فاروق احمد، نعیمہ، عفت، علی اور اریبہ سبھی استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے۔

سب سے کھنچے کھنچے انداز میں ملتے ہوئے وہ دونوں صوفے پر آبیٹھے، تو بی جان، عارفہ بیگم سے حال احوال دریافت کرنے لگیں۔ جن کا موڈ میاں کی طرح خاصا بگڑا ہوا تھا۔ جبکہ اریبہ، عاصمہ بیگم اور ظہیر صاحب کو اطلاع کرنے کی نیت سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"گھر میں سب خیریت تو ہے عارفہ؟" ان کے عجیب سے انداز پر بی جان نے نرمی سے پوچھا۔

"خیریت ہوتی تو ہم یہاں ہوتے۔" بنا کسی لحاظ کے وہ نخوت سے بولیں، تو تمام حاضرین محفل چونک اٹھے۔

"میں سمجھی نہیں تم..."

"اپنی پوتی کو بلائیں۔ ابھی سمجھ میں آجائے گا۔" ان کی بات کاٹتے ہوئے وہ تیز لہجے میں بولیں، تو اب کے سب حقیقتاً "پریشان ہو اٹھے۔

"اسے بھی بلا لیتی ہوں۔ لیکن تم مجھے تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟" ان کے دل میں برے برے وسوسے آنے لگے تھے۔

"آپ کی پوتی نے میرے بیٹے پر الزام لگایا ہے کہ ہم نے یہ رشتہ اس کی ماں کے حصے کی جائیداد ہڑپنے کے لیے کیا ہے۔" ہاتھ نچاتے ہوئے وہ حد درجہ جہالت سے گویا ہوئیں۔ تو بی جان سمیت سبھی کا منہ مارے حیرت اور بے یقینی کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"کیا؟ روشی نے یہ بات کہی ہے؟ میں نہیں مان سکتی۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ بے یقینی سے بولیں تو عارفہ بیگم طنزیہ انداز میں ہنکارا بھرتے ہوئے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگیں۔ جبکہ باقی سب کی حیران پریشان نگاہیں لاؤنج میں داخل ہوتے ظہیر صاحب اور عاصمہ بیگم پر جا ٹکیں۔ جن کے سلام کا مرتضیٰ اور عارفہ نے کوئی جواب دینا گوارا نہ کیا تھا۔

"خیر تو ہے، آپ دونوں خاصے ناراض سے لگ رہے ہیں۔" عاصمہ نے مقابل بیٹھے بھائی اور بھابی کے تنے چہروں پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تو عارفہ طنزیہ نظروں سے نند کو دیکھنے لگیں۔

"ظاہر ہے تمہاری بیٹی کے الزامات سننے کے بعد ہم خوش تو ہونے سے رہے۔"

"بھابھی! اسد کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ روشی نے ایسا..." ان کا اشارہ سمجھتے ہوئے عاصمہ نے نہایت رسان سے کہنا چاہا۔ مگر عارفہ نے تیز لہجے میں ان کی بات کاٹ ڈالی۔

"بس بس رہنے دو۔ اسد کوئی نادان بچہ نہیں ہے، جو تمہاری بیٹی کی بات سمجھ نہ سکے، اور ویسے بھی اس نے کون سا لحاظ کیا تھا۔ ہر بات صاف صاف تو کہہ ڈالی تھی۔" تیز لہجے میں عارفہ نے اپنی بات مکمل کی تو سب کے سامنے اس درجہ عزت افزائی پہ عاصمہ اندر ہی اندر کٹ کر رہ گئیں۔ جن میکے والوں کا وہ ساری زندگی دم بھرتے نہ تھکتی تھیں۔ انہوں نے ایک لمحے کو بھی ان کی بھری پری سسرال کا خیال نہ کیا تھا۔ عارفہ تو چلو بھابھی تھیں، لیکن مرتضیٰ...؟ بھائی کی اس درجہ بے گانگی اور بے حسی پہ عاصمہ کی آنکھیں تیزی سے بھیگنے لگی تھیں۔

"اچھا چلو جو بھی بات ہوئی تم جانے دو۔ میں روشی کو بلواتی ہوں، وہ ابھی تم دونوں سے معذرت کرے گی۔ جاؤ علی! رشنا کو بلا کر لاؤ۔" بی جان نے بات ختم کرنے کی غرض سے فوراً "علی کو اٹھایا۔

"کوئی ضرورت نہیں بی جان۔ ویسے بھی جب ماں، باپ نے ہی بیٹی کو شہ دے رکھی ہے تو بھلا اسے کیونکر اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔" سامنے بیٹھے ظہیر اور عاصمہ کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا گیا۔ تو اب تک خاموش بیٹھے ظہیر صاحب کا ضبط جواب دے گیا۔

"اب آپ زیادتی کر رہی ہیں بھابھی!"

"زیادتی؟ تمہاری بیٹی نے جو ماموں کی نیت پر شک کیا، اسے تو تم نے زیادتی نہیں گردانا!"

"رشنا نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ اس نے اسد سے وہی کہا جو سچ تھا۔" ان کے لیے مزید خود پر قابو رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔

"اور سچ کیا تھا؟" دوسری جانب سے پہلی بار مرتضیٰ صاحب نے لب کشائی کی۔

"یہ آپ اور آپ کی بہن مجھ سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ جس سے آپ نے جائیداد کے بدلے میں رشتہ طے کرنے کی ہامی بھری تھی۔" ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے سپاٹ لہجے میں گویا ہوئے تو لاؤنج میں موجود ہر شخص اس نئے انکشاف پہ انگشت بدنداں رہ گیا۔ جبکہ علی کے ہمراہ، کمرے میں داخل ہوتی رشنا نے ٹھٹک کر اپنے قدم دہلیز سے باہر ہی روک لیے تھے۔

"چلو جی! بات ہی ختم ہوئی۔ ہم بیٹی کے لگائے گئے الزام کو رو رہے تھے۔ یہاں تو باپ نے ہی منہ پر طمانچہ کھینچ مارا۔" چور مچائے شور کے مصداق عارفہ بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ جبکہ مرتضیٰ رحمٰن، جو بہنوئی کی نازک پوزیشن سے فائدہ اٹھائے بڑے دھڑلے سے تنتناتے ہوئے گھر تک چلے آئے تھے، پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر رہ گئے۔ ظہیر احمد سے انہیں کسی طور اس درجہ جرأت کی امید نہ تھی۔

"لگتا ہے تم اپنی بیٹی کو بسانا نہیں چاہتے!" اگلے ہی پل وہ اپنی خفت چھپائے، کھل کر اپنا آپ دکھانے پر اتر آئے تو بے اختیار بی جان اور عاصمہ کا ہاتھ ان کے سینوں پر آن ٹھہرا۔ مگر اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا، عارفہ کی زبان ایک بار پھر زہر اگلنے لگی تھی۔

"لگتا کیا، مجھے تو یقین ہے کہ ان کا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ بلکہ ان سے زیادہ مجھے تو ان کی بیٹی کے لچھن ٹھیک نہیں لگتے۔ یہ دیدہ دلیری یونہی نہیں دکھائی جا رہی، ضرور کوئی نہ کوئی چکر ہے۔ ہمیں تو تبھی عقل پکڑنی چاہیے تھی جب اس گھر کے اپنے بیٹے نے اس لڑکی سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ آخر کوئی تو گل کھلائے ہوں گے جو....."

"بس! بہت ہو گیا۔ آگے ایک لفظ اور نہیں سنوں گا میں!" ظہیر صاحب ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے دھاڑے تو سبھی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

آن واحد میں وہ لوگ اس درجہ گھٹیاپن پر اتر آئیں گے، کسی نے سوچا تک نہ تھا۔ جبکہ باہر کھڑی رشنا کی آنکھوں کے آگے کچھ اس تیزی سے اندھیرا چھایا تھا کہ وہ بے اختیار لڑکھڑا گئی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ تیورا کر زمین پر گرتی، علی نے برق کی سی تیزی سے گرتی ہوئی بہن کو سنبھالا تھا۔

"آپ نے بالکل درست فرمایا۔ آپ جیسے گھٹیا اور لالچی لوگوں میں بیٹی دینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ آپ ابھی، اسی وقت یہاں سے تشریف لے جائیں۔" دوٹوک الفاظ میں ظہیر صاحب نے بات ختم کی تو بنا کسی رشتے ناتے کی پروا کیے وہ دونوں باقاعدہ دھمکیاں دیتے، لاؤنج سے نکلتے چلے گئے۔

"امی! پاپا! آپی بے ہوش ہو گئی ہیں۔" علی کی چیخوں پہ ساکت کھڑے لوگ اندر کی جانب بھاگے۔ جبکہ عاصمہ سر پکڑے وہیں صوفے پر گرتی چلی گئیں۔

❋ ❋ ❋

"رشنا کو طلاق ہو گئی!" جس نے بھی یہ دل دہلا نے والی خبر سنی تھی ہکا بکا رہ گیا تھا۔ سگے ماموں نے بھانجی پر یہ ظلم توڑا تھا، سننے والے اگر حیران پریشان تھے تو بتانے والے سخت شرمندہ اور غم زدہ! جن کی ہر کوشش رائیگاں گئی تھی۔

اس روز مرتضیٰ اور عارفہ کے یوں اٹھ کر چلے جانے کے اگلے ہی روز بی جان، منصور، فاروق اور عاصمہ کے ہمراہ خود مرتضیٰ صاحب سے معذرت کرنے اور بات ختم کرنے کی درخواست لے کر گئی تھیں۔ لیکن جب نیتوں میں ہی کھوٹ تھا تو معاملات کیسے سلجھتے؟ رشتے ناتے، لحاظ، مروت ہر چیز بالائے طاق رکھتے ہوئے اسد نے خود اس رشتے کو قائم رکھنے

ے انکار کر دیا تھا۔ اور جب عاصمہ کے دیگر خاندان ...وں نے مداخلت کرنا چاہی تو دوسری جانب سے ...ائی بے حسی اور بے شرمی سے طلاق بھجوا دی گئی۔ ...س کے بعد گویا "احمد ولا" میں قیامت صغریٰ برپا ہو گئی ...ی۔ اس پہ مستزاد دنیا کے ہزاروں سوالات!

اس دنیا کے جس کی ایک نہیں دو دھاریں ہیں۔ ...اہر ان کے دکھ میں شریک ان کے ہمدردوں نے بعد ...ں کیسی کیسی باتیں نہ بنائی تھیں، یہ وہ جانتے تھے یا ...ن کے دل جنہیں آئے دن ملنے والی ہر نئی "اطلاع" ...ے چھید کر رکھ دیا تھا۔

بی جان تو اس المیہ کے بعد سے بستر سے اٹھنے کے ...ل نہ رہی تھیں۔ اور ظہیر صاحب، جو پہلے ہی خود کو ...ی معصوم بیٹی کا گناہ گار سمجھے ہوئے تھے، رشنا کے ...دید قسم کے نروس بریک ڈاؤن کے بعد، دنوں میں ہی ...ل کر رہ گئے تھے۔

جبکہ عاصمہ بیگم کو تو بالکل چپ ہی لگ گئی تھی۔ ...ں کے اجڑ جانے کا غم اور اپنوں کی اس درجہ سفاکیت ...ے انہیں کچھ اس طرح سے توڑا تھا کہ وہ رشتوں پر ...ے اپنا مان، اعتبار تو کیا خود اپنی ذات پر سے یقین کھو ...ی تھیں۔ جن رشتوں کو انہوں نے ساری زندگی ...و سے بڑھ کر جانا تھا۔ اور جن کی کھلی خود غرضی اور ...ع کے باوجود، انہیں اپنے دل کا ٹکڑا محض اس ...روسے پر سونپ دیا کہ وہ ان کے اپنے ہیں، انہوں نے ...ائے اذیت اور جگ ہنسائی کے انہیں اور کچھ نہ دیا ...ا۔ اور جنہیں انہوں نے ہمیشہ تکلیف دی تھی، آج ...ں ان کی ذات پہ بنا کوئی سوال اٹھائے ہر لمحہ نہایت ...ت اور خلوص سے ان کی دلجوئی میں مصروف تھے۔

پورے گھر پر سوگواریت اور خاموشی کی فضا طاری ...ی۔ لیکن اس سب کے باوجود ہر کوئی ظہیر، عاصمہ ...ی، اریبہ اور خصوصاً" رشنا کو غم اور دکھ کی اس کیفیت ...ے نجات دلانے کے لیے کوشاں تھا، جو ان سب کے ...اتھ ساتھ، سات سمندر پار بیٹھے زائر کو بھی نڈھال ...ر چکی تھی۔

جسے جب نعیمہ نے روتے ہوئے فون پر یہ اندوہناک خبر سنائی تو وہ کتنی ہی دیر بے یقینی کے زیر اثر ساکت کھڑا رہ گیا تھا۔ لیکن جونہی سنسناتا دماغ اس بات کو پوری جزیات کے ساتھ سمجھنے کے قابل ہوا تھا، دل کی عدالت نے اسے بنا کسی توقف کے رشنا کی اس تباہی کا ذمے دار قرار دیا تھا۔ یہ احساس کہ اگر وہ چودہ ماہ قبل اپنی نام نہاد انا کے پیچھے رشنا کو نہ ٹھکراتا تو آج اس کی زندگی اس بربادی سے دوچار نہ ہوتی، زائر کو ہر پل اس طرح سے کچوکے لگاتا کہ سوائے پچھتاوے کی اس آگ میں خاموشی سے جلنے کے اس کے پاس دوسرا کوئی چارہ نہ تھا۔ اور شاید یہی اس کی سزا بھی تھی۔

❋ ❋ ❋

تیزی سے گھومتے دن اور رات کے چکر نے کب چار سال کا طویل عرصہ کاٹا، پتا ہی نہ چلا۔ اس دوران جہاں گزرتا وقت بہت سے موسم اپنے ساتھ بہالے گیا تھا۔ وہیں جاتے جاتے کئی نئی تبدیلیاں بھی ان کی زندگیوں میں چھوڑ گیا تھا۔ جن میں سرفہرست فہد اور ایمن کی منگنی اور فرحان کے گھر دو پیارے پیارے سے بچوں کی آمد تھی۔ جو سارا دن بی جان سمیت تمام گھر والوں کا دل بہلائے رکھتے۔

ثنا کی بات پھپھو کے بیٹے یاسر سے طے پا گئی تھی، جبکہ نادیہ ماسٹرز مکمل کرنے کے بعد لیکچرار شپ جوائن کر چکی تھی۔ اریبہ گریجویشن میں مصروف اور علی اپنی اسٹڈیز ختم کر کے فرحان اور فہد کے نقش قدم پر چلتا ہوا اپنا بزنس جوائن کر چکا تھا۔ جبکہ ذیشان اپنی اسپیشلائزیشن کے چکر میں انگلینڈ جانے کی تیاریوں میں تھا۔

بی جان اب پہلے سے خاصی کمزور اور بیمار رہنے لگی تھیں۔ جبکہ عاصمہ بیگم کی طبیعت میں، رشنا والے واقعے کے بعد سے زمین آسمان کا فرق آ چکا تھا۔ ان کے مزاج کی ساری گرمی، ساری خود سری اپنے آپ ہی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ اور اب ان کی شخصیت کا جو رخ سب کے سامنے تھا۔ وہ پہلے سے حد درجہ بہتر اور مثبت تھا۔ لیکن جس کی بدولت یہ سب بدلاؤ ان کی

ذات میں آیا تھا۔ اس کی اپنی شخصیت زندگی کے اس تلخ تجربے کے بعد بہت حد تک بکھر چکی تھی۔ جسے گزرتے وقت کے ساتھ 'اپنوں کی محبت کے سہارے نے سمیٹ تو لیا تھا۔ لیکن حالات اور لوگوں کے رویوں نے بہت سی دراڑیں بھی ڈال دی تھیں۔

یہ بدلی ہوئی رشنا اپنی ذات سے منسلک رشتوں کے لیے تو اتنی ہی پر خلوص' پیار کرنے والی اور بے ریا تھی' جتنی کہ ہمیشہ سے رہی تھی۔ لیکن خود اپنے لیے وہ نہایت تلخ اور لاپروا ہو چکی تھی۔ محبت اور انسانیت سے اس کا ایمان ہمیشہ کے لیے اٹھ چکا تھا۔ "شادی" کے نام سے تو اس درجہ چڑ چکی تھی کہ اب تو ہر کوئی اس موضوع کو چھیڑنے سے گریز کرتا تھا۔

دوسری جانب ان گزرے چار سالوں میں زائر نے سب کے پرزور اصرار کے باوجود ایک بار بھی پاکستان کا چکر نہیں لگایا تھا۔ جبکہ مہرین اس دوران دوبار اکیلی آچکی تھی۔ اور وہ خود دونوں مرتبہ ہی مختلف حیلے بہانوں سے اپنا آنا ملتوی کر چکا تھا۔ چونکہ دونوں کے ہاں اب تک کوئی اولاد نہ تھی۔ سو ہر کوئی بالخصوص بی جان اور نعیمہ بیگم اس معاملے میں خاصی پریشان تھیں۔ اس پہ مستزاد زائر کا پاکستان نہ آنا' وہ دونوں اس سے سخت خفا تھیں۔

لیکن چند ہفتے قبل جب اس نے اپنے ٹرانسفر کی اطلاع دیتے ہوئے مستقل واپسی کی نوید سنائی۔ تو پورے گھر میں گویا زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ ہر کوئی خوش تھا' بے حد خوش! اور اب جو اس نے اپنے آنے کا دن کنفرم کیا تھا تو مانو جیسے عید کا سا سماں ہو گیا تھا۔ سوائے رشنا کی ذات کے' ہر ایک کے لبوں پر مسکراہٹ اور زائر کا نام تھا۔ جبکہ وہ۔ جس کے لیے زائر کا وجود کبھی چارہ گر کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج اس ذکر پر سوائے اپنے اندر ویرانی اور بے زاری کے تیسرا کوئی احساس نہ پاتی تھی۔ زائر کی ذات سے اب اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن نجانے کیوں اس کی موجودگی کا خیال رشنا کے اعصاب پر تھکن سوار کرنے لگا تھا۔

"تو زائر منصور! بالآخر تم نے چار سال بعد واپسی کی ٹھان ہی لی۔ کتنی دعائیں کی تھیں' میں نے اپنے ... ہے کہ وہ کم از کم تمہارے سامنے میرا بھرم ہمیشہ ... رکھے۔ اس انسان کے سامنے جس نے ہمیشہ ... ذات کی نفی کی' اور میرے وجود کو دوسروں کے سا... تماشا بنایا۔ مگر وائے ری قسمت کہ میری خامو... دعائیں نہ پہلے میرا ساتھ دے پائیں۔ اور نہ ا... میرے کسی کام آسکیں۔

میں آج بھی تنہا اور اکیلی وہیں کھڑی ہوں' جہا... چار سال پیشتر تھی۔ ہاں لیکن تب میری پیشانی پہ ... اور بدنما داغ نہ تھا۔ جو آج قسمت کی ستم ظریفی ... بے جرم و خطا سجا ڈالا ہے۔ اور سینے پہ اس نئے "... کو سجا کر تمہاری ترحم آمیز نگاہوں کا سامنا کرنا' می... ذات کے لیے کتنا اذیت ناک اور میرے پندار کے ... کتنا تکلیف دہ امر ہوگا' یہ میں جانتی ہوں یا میرا ... جو نہ ان لمحوں میں بھی عزت نفس اور خودداری دا... لگانے کا قائل تھا' جب یہ اسیر محبت تھا اور نہ آ... جب اسے محبت جیسے فضول اور تکلیف دہ جذبے ... بھی سننا گوارا نہیں!" اپنے کمرے کی تنہائیوں میں ... کے ہیولے سے خاموش گفتگو کرتے کب آنسو ... کے آنچل کی زینت بننے لگے اسے پتا ہی نہ چلا۔

☆ ☆ ☆

سب کے درمیان لاؤنج میں بیٹھے زائر کے لیے ... حیران نگاہوں کو قابو میں رکھنا مشکل ہو چلا تھا۔ جو ... فوقتاً" مہرین سے محو گفتگو رشنا کی جانب اٹھ ر... تھیں۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ پہلے سے بڑ... خوبصورت ہو چلی تھی۔ لیکن وہ بہت بدل گئی تھی۔

آج جب ان کے جہاز نے کراچی ایئرپورٹ پر ... کیا تھا تو زائر کے دل کی عجیب حالت تھی۔ جن ... رشتوں کو دیکھے بنا' اتنے سال پردیس میں کاٹے ... اب ان سب سے ایک ڈیڑھ گھنٹے کی یہ تھوڑی ... دوری بھی اس پر گراں گزر رہی تھی۔

ایئرپورٹ پر انہیں فرحان اور فہد نے ریسیو کیا ... جن کے گلے لگتے ہی زائر کی آنکھیں کچھ اس ... سے بھیگی تھیں کہ اس کے لیے خود پر قابو پانا دشوار ہو گیا تھا۔ اور جب وہ "احمد ولا" پہنچے تب تو حقیقتاً" جیسے ساون برس اٹھا تھا۔ لیکن چونکہ یہ آنسو خوشی کے تھے۔ لہٰذا انہیں خشک ہونے میں بھی زیادہ وقت نہ لگا تھا۔ اور کچھ ہی دیر میں ان سب کی ہنسی اور باتوں کی آواز کچن تک سنائی دے رہی تھی' جہاں رشنا چائے کے بہانے اپنی ہمت مجتمع کر رہی تھی۔

"یار زائر! تو تو پہلے سے بڑھ کر ہینڈسم ہو گیا ہے۔" فرحان اس کے وجیہہ اور باوقار سراپے کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اچھا! لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں تیرے بارے میں یہ الفاظ نہیں دہرا سکتا۔" چہرے پر مصنوعی تاسف سجائے' اس نے عادتاً" فرحان کی "ٹانگ" کھینچی' تو فرحان سمیت تمام حاضرین محفل ہنس دیے۔

"لیکن ایک بات ہے۔" فرحان نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"تیری خباثت میں بھی چار چاند لگ چکے ہیں۔" فرحان نے مسکراتے ہوئے حساب برابر کیا تو سب کے بلند ہونے والے قہقہے بے اختیار تھے۔

اور تبھی ٹرالی دھکیلتی' رشنا نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے باآواز بلند سلام کیا تھا۔ اور زائر کی متلاشی نگاہوں کو جیسے قرار مل گیا تھا۔

بے اختیار اس کی نظریں رشنا کی جانب اٹھی تھیں' جو ریڈ اینڈ وائٹ کرتا شلوار میں موسم کی تمام تر تازگی خود میں سموئے اس کے سامنے موجود تھی۔ عین اسی لمحے اس نے بھی اپنی جھکی پلکیں اٹھائی تھیں اور زائر کے دل کا وہ گوشہ' جو آج بھی اس کی یادوں سے آباد تھا' آن واحد میں سرشار ہو اٹھا تھا۔ لیکن جب وہ اس سے انتہائی بے تاثر انداز میں سرسری سا حال دریافت کرتی' مہرین کی جانب متوجہ ہو گئی۔ تب زائر کو اس کے سپاٹ چہرے سے لے کر خالی آنکھوں تک کا احساس ہوا تھا۔ جنہیں گہری نظروں سے تکتے ہوئے اسے بے اختیار وہ لمحہ یاد آیا تھا' جب یہ جھیل سی آنکھیں اس سے شکوہ کناں تھیں اور وہ نہایت خاموشی سے ان کی ہر شکایت سے منہ پھیر گیا تھا۔ کاش کہ گزرا وقت لوٹ سکتا۔ تو وہ کبھی ان آنکھوں کو یوں ویران نہ ہونے دیتا۔ جن میں خوشی نام کی کوئی چیز اب دور' دور تک دکھائی نہ دیتی تھی۔

اپنے دل کو درد کی انتہاؤں پر پاتے ہوئے وہ سب سے گفتگو کے دوران بھی اپنے دھیان کو اس کی جانب سے ہٹا نہ پا رہا تھا' جو ایک بار پھر کچن میں جا گھسی تھی۔ آدھا پونا گھنٹہ مزید سب کے ساتھ بیٹھنے کے بعد وہ فریش ہونے کے بہانے اٹھ کر کچن کی جانب چلا آیا۔ تو وہاں اسے تنہا پا کر اپنے قدموں کو اس کی جانب اٹھنے سے روک نہ پایا' جو سر جھکائے تیزی سے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔

"رشنا!" زائر کو اپنی آواز خود ہی بہت اجنبی سی لگی تھی۔ جبکہ دروازے کی جانب پشت کیے کھڑی رشنا کے چلتے ہاتھ اس انجان سی پکار پر ایک پل کو کانپ کر رہ گئے تھے۔ لیکن محض ایک لمحے کے لیے۔ اگلے ہی پل وہ خود پہ قابو پاتے ہوئے سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کی جانب پلٹی تھی۔

"جی!" نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہو چلا تھا۔

"وہ۔ میں تم سے کہنا چاہتا تھا کہ مجھے تمہارے اور اسد کے....."

"پلیز زائر صاحب! جس بات کی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ اس کے لیے دنیاداری نبھانے کی بھی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی میں کسی اجنبی کے ساتھ اپنے ذاتی معاملات ڈسکس کرنا پسند نہیں کرتی۔" ایک سلگتی ہوئی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے وہ ایک بار پھر پلٹ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ تو دہلیز پر ساکت کھڑا زائر اس کی پشت کو دیکھ کر رہ گیا۔ جو حقیقتاً" بہت بدل چکی تھی۔ یا پھر یہ وقت تھا جو بہت بدل گیا تھا۔ اور اپنے ساتھ بہت کچھ تبدیل کر گیا تھا۔

جس میں سرفہرست سب سے زیادہ حیران کن تبدیلی جس شخصیت میں آئی تھی وہ عاصمہ چچی کی

ذات تھی۔ جن سے مل کر زائر چند لمحوں کے لیے گنگ سا ہو گیا تھا۔ یہ وہ عاصمہ چچی تو نہ تھیں، جنہیں وہ بچپن سے دیکھتا چلا آیا تھا۔ نرم مزاج اور دھیمے لہجے والی اس خاتون پر تو کسی اور ہی شخصیت کا گمان ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ اندر تک بدل چکی تھیں۔ لیکن اس تبدیلی کے پیچھے جو حادثہ محرک تھا۔ اس نے زائر کو نئے سرے سے اذیت سے دوچار کر ڈالا تھا۔

انسان کو سنبھلنے کے لیے ٹھوکر کی ضرورت کیونکر پیش آتی ہے، یہ بات سمجھنے سے وہ خود بھی آج تک قاصر تھا، جس کا اپنا ضمیر بے حد بوجھل تھا۔ بے معنی نفرت، بغض اور انا نے اس سے بہت کچھ چھین لیا تھا۔ لیکن اب چونکہ مزید کوئی نقصان اٹھانے کا اس میں حوصلہ نہ تھا۔ سو اس نے اپنے اندر موجود ہر کثافت کو دھو ڈالا تھا۔ دیر سے ہی سہی لیکن اس نے عاصمہ چچی کو دل کی گہرائیوں سے معاف کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟ کیا کہہ رہے ہو بیٹا!" نعیمہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے بیٹے کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولیں۔ جس نے ان کے ہلکے پھلکے لہجے میں کیے گئے استفسار کے جواب میں ان کے سر پہ پہاڑ توڑ ڈالا تھا۔

"جی امی میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں۔ مہرین کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" وہ سر جھکائے آہستگی سے بولا تو نعیمہ اور بی جان دونوں اپنا دل تھام کر رہ گئیں۔

"یا میرے مولا! یہ تو نے ہمیں کیسی آزمائش میں ڈال دیا۔" نعیمہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے بلبک کر رو پڑیں، تو بی جان نے ہاتھ بڑھا کر انہیں سینے سے لگا لیا۔ ان کی بوڑھی آنکھوں سے بھی اس تکلیف دہ انکشاف پہ آنسو رواں تھے۔ جبکہ زائر اپنی نگاہوں کی سرخی چھپانے کو یونہی سر جھکائے ضبط سے بولا تھا۔

"ڈاکٹروں نے یہ بات ہمیں شادی کے دوسرے سال ہی بتا دی تھی۔ لیکن آپ لوگوں کو اسی تکلیف سے بچانے کے لیے میں نے قصداً" مہرین کو خاموش رہنے کے لیے کہا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ عصمت خالہ یہ بات جانتی ہیں یا نہیں۔ نہ ہی میں نے مہرین کو فیملی سے یہ بات ڈسکس کرنے سے منع کیا تھا۔ لیکن اب وہاں کی تنہائی میں وہ کافی ڈیپریس رہنے لگی تھی۔ سو مجھے یہی بہتر لگا کہ ہمیں واپس آجانا چاہیے۔ کہ یہاں سب کے درمیان رہ کر وہ خود کو نارمل کر سکے۔" زائر نے اپنے لوٹ آنے کی اصل وجہ ان کے گوش گزار کی تھی۔

"تو نے بہت اچھا فیصلہ کیا بیٹا۔ مہرین کی صحت و تندرستی سے بڑھ کر ہمیں کوئی چیز نہیں۔ لیکن یہ سونی گود کا دکھ ہے بیٹا۔ اسے ایک عورت کے لیے برداشت کرنا اتنا آسان ہرگز نہیں ہوتا۔" بی جان آنکھوں کی نمی پوروں پر سمیٹتے ہوئے دلگرفتگی سے گویا ہوئیں تو نعیمہ بھی خود کو سنبھالتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھیں۔

"آپ صحیح کہتی ہیں بی جان۔ میں تو مہرین کے دکھ کی شدت کم کرنے کے لیے بچہ تک ایڈاپٹ کرنے کو تیار تھا۔ لیکن آپ اس کے مزاج کی شدت اور ضد کو جانتی ہیں۔ وہ اس بات کے لیے کسی بھی طور پر رضامند نہیں ہوئی۔" اک گہرا سانس لیتے ہوئے وہ سیدھا ہو بیٹھا تو نعیمہ بیٹے کا چہرہ دیکھ کر رہ گئیں۔ جہاں دکھ اور بے بسی نے عجیب سی مایوسی طاری کر رکھی تھی۔ انہیں اپنے دل میں اک ہوک سی اٹھتی محسوس ہوئی تھی۔

"تو پھر اب آگے کیا ہو گا؟" چاروں جانب اندھیرا محسوس کرتے ہوئے انہوں نے بے اختیار بی جان اور پھر زائر کی جانب دیکھا۔

"ہونا کیا ہے امی۔ بہت سے لوگوں کے نصیب میں اولاد کی خوشی نہیں ہوتی۔ آپ دعا کریں، اللہ ہم دونوں کو اپنی زندگی کی اس محرومی پر صبر اور حوصلے کی توفیق عطا فرمائے۔" تھکے تھکے لہجے میں وہ اپنی بات مکمل کرتا، اٹھ کر کمرے سے نکل گیا، تو نعیمہ کے لیے ایک بار پھر اپنے آنسوؤں پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔

منصور صاحب کو نعیمہ کے ذریعے جب یہ تلخ حقیقت پتا چلی تو ان کے دکھ کی شدت بھی ان سے کچھ کم نہ تھی۔ مگر وہ مرد تھے، ہمت سے کام لینا ان کی مجبوری تھی۔ جبکہ نعیمہ ماں تھیں، زائر انہیں اپنی جان سے بڑھ کر عزیز تھا۔ ان کے لیے اس کے درد سے نڈھال وجود کی تکلیف کو نظرانداز کرنا ممکن نہ تھا۔

ساری رات سوچتے ہوئے آنکھوں میں کٹی تھی۔ اور صبح جب وہ بڑی بے بسی کے عالم میں اپنا غم، آنسوؤں کی صورت اللہ کے حضور کہہ رہی تھیں۔ تبھی ایک خیال نے کوندے کی مانند لپک کر ان کے ذہن کے اندھیروں میں امید کی نئی کرن پیدا کر ڈالی تھی۔ لیکن اگلے ہی پل اس خیال سے بندھے ہزاروں سوالوں نے امید کی اس روشنی کو دھندلا ڈالا تھا۔ مگر پھر بھی نہ جانے کیوں وہ ایک کوشش ضرور کرنا چاہتی تھیں۔ شاید کہ کوئی سبیل نکل آتی!

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں۔ میں بھلا...."

حیران پریشان سے زائر نے سامنے بیٹھے منصور صاحب، بی جان اور نعیمہ بیگم کی جانب بے یقین نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ تم مہرین کو اعتماد میں تو لو۔" نعیمہ رسان سے بولیں تو وہ جھنجلا اٹھا۔

"امی! وہ کبھی نہیں مانے گی۔ اور پھر عصمت خالہ، عاصمہ چچی! پلیز امی آپ لوگ کیوں میرا تماشا بنوانے پہ تلے بیٹھے ہیں۔"

"تماشا کیسا بیٹا۔ لوگ تو بلاوجہ دوسری شادی کرتے ہیں۔ جبکہ تمہارے معاملے میں تو یہ بالکل جائز عمل ہے۔ ہم خدانا خواستہ تمہیں مہرین کو چھوڑنے کے لیے تو نہیں کہہ رہے۔ وہ ہماری بہو نہیں بیٹی کی جگہ ہے۔ اس کے ساتھ ہم کوئی زیادتی کیسے کر سکتے ہیں؟ بلکہ اس سارے قصے میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں۔ لیکن بیٹا! زندگی میں بہت سے کام اپنے آج کے لیے نہیں بلکہ آنے والے کل کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اور پھر تم یہ دیکھو کہ رشنا گھر کی بچی ہے۔ اس کے ساتھ جو حادثہ بیت چکا ہے، اس کے بعد اسے کسی اچھے گھرانے میں بیاہنا کوئی آسان بات نہیں۔ یہ حقیقت عاصمہ بھی جانتی ہے اور ظہیر بھی۔ اس ہی لیے دونوں بیٹی کے لیے از حد پریشان ہیں۔ اب تک اس کے نہ جانے کتنے ہی رشتے لوٹ چکے ہیں۔ اور بالفرض اگر وہ بیاہی بھی جاتی ہے تو بھی اس بات کی کیا گارنٹی ہو گی کہ وہ وہاں خوش رہے گی اور وہ لوگ اسے کبھی، اس کی بنا ر خصتی کے ملنے والی طلاق کا طعنہ نہ دیں گے!" منصور صاحب نے دھیمے لہجے میں اس پہ سوچ کے کئی نئے در وا کر ڈالے، تو وہ ایک لمحے کو خاموش سا ہو گیا۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ ان کی ہر بات سچائی پر مبنی تھی۔ جسے سن کر اس کے اندر، پچھلے چار سال سے جلتا، پچھتاوے کا الاؤ مزید بھڑک اٹھا تھا۔ لیکن وہ ایک غلطی کو سدھارنے کی خاطر، دوسری غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی طور اتنا خود غرض نہیں بن سکتا تھا کہ محض اپنی زندگی کی محرومی دور کرنے کے لیے وہ مہرین کو ایک نئی سزا اور رشنا کی ذات کو ایک نئے امتحان سے دوچار کر ڈالتا۔

"بابا! آپ کی کسی بات سے مجھے انکار نہیں۔ لیکن میں محض اپنے مفاد کے لیے اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا۔ میں زندگی میں ہر کام فیئر طریقے سے کرنے کا قائل ہوں۔ سو اللہ نے چاہا تو رشنا کو اس کے نصیب کی خوشیاں ضرور ملیں گی۔ اور ہماری زندگی بھی کسی طور گزر ہی جائے گی۔ لیکن پرانی آزمائشوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے، نئے طوفانوں کو اٹھانا کہیں کی عقل مندی نہیں۔" قطعی لہجے میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے اس نے بات ختم کر ڈالی، تو کمرے میں موجود تینوں نفوس بے بس نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

"آپ کل سے مجھے کافی پریشان لگ رہے ہیں۔ خیر تو ہے؟" مہرین، بالکونی میں کھڑے زائر کے قریب چلی آئی۔ جو اپنے دھیان میں پچھلے آدھے گھنٹے سے مستقل اسموکنگ کیے جا رہا تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں!" اک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے وہ اس کی جانب متوجہ ہوا' جو بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"زائر! آپ کو آنٹی اور انکل کی بات مان لینی چاہیے۔" اس کے چہرے پر نگاہ جمائے وہ آہستگی سے بولی تو زائر بری طرح چونک اٹھا۔

"کون سی بات؟" کچھ بھی کہنے سے پہلے اس نے اپنے خدشے کی تصدیق ضروری سمجھی تھی۔

"یہی کہ آپ کو رشنا سے شادی....."

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم تک یہ بات کیسے پہنچی؟" زائر نے اس کی بات کاٹی' تو وہ بے اختیار سر جھکا گئی۔

"میں نے خود سنی تھی۔"

"تو پھر میرا جواب بھی یقیناً سن لیا ہوگا۔" اس کے جھکے چہرے پر نگاہ جمائے وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ تو وہ اک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"ہاں سن لیا تھا۔ لیکن....." اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر زائر کی جانب دیکھا تھا۔

"لیکن کیا؟" وہ جھنجلا سا گیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ آپ۔ آپ رشنا سے شادی کرلیں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اتنی بڑی بات اتنے آرام سے کہہ گئی تو زائر کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ بے اختیار اس نے پلکیں جھپکتے ہوئے بے یقینی سے اپنے سامنے کھڑی مہرین کو دیکھا تھا۔ جو آج ہمیشہ کی ضدی اور شدت پسند مہرین کے بالکل برعکس لگ رہی تھی۔

"کیا؟" اپنی حیرت کے اظہار کے لیے اس کے پاس اس سے زیادہ الفاظ نہ تھے۔

"ہاں! میں چاہتی ہوں کہ آپ گھر والوں کی بات مان لیں۔"

"لیکن کیوں؟" اس نے الجھ کر پوچھا تھا۔

"کیونکہ مجھے اولاد چاہیے۔ آپ کی اولاد! آپ کو پتا ہے میں کیوں کوئی بچہ ایڈاپٹ نہیں کرنا چاہتی تھی' کیونکہ وہ آپ کا خون نہ ہوتا' جبکہ میں آپ کے خون' آپ کی اولاد کو پالنا چاہتی ہوں۔ مجھ سے اپنی خالی گود اور آپ کی محرومی برداشت نہیں ہوتی' زائر! آپ کو یہ شادی کرنی پڑے گی۔ پلیز زائر!" وہ بات کرتے کرتے رو پڑی تو زائر بے بسی سے اس کے آنسوؤں کو دیکھ کر رہ گیا۔

"لیکن یہ رشنا کے ساتھ زیادتی ہوگی مہرین۔"

"کیوں زیادتی ہوگی۔ اسے بھی تو آخر ایک اچھے لائف پارٹنر کی ضرورت ہے۔" وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ جب اسے مجھ سے زیادہ اچھا بندہ مل سکتا ہے تو میں کیوں خود کو اس پہ مسلط کروں۔" وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"اور اگر نہ ملا تو؟" مہرین نے چڑ کر سوال کیا تو وہ بے اختیار نظریں چرا گیا۔

"تو بھی کم از کم میں خود کو گلٹی تو نہ محسوس کروں گا۔"

"اور اگر اسے کوئی طعنے دینے والا یا بچوں کا باپ یا کوئی ایسا شخص مل گیا جس کی بیوی مر گئی ہو' تو کیا تب آپ خود کو گلٹی فیل نہیں کریں گے؟" غصے سے اس نے تصویر کا دوسرا رخ اس کے سامنے رکھا' تو وہ ایک لمحے کو چپ سا ہو گیا۔ نہ جانے کیوں' لیکن دل اس تصور پہ بھی کانپ سا گیا تھا۔

"مان لیں زائر کہ اس فیصلے میں ہم سب کی بہتری ہے۔" اس کے چہرے پر کشمکش کے آثار دیکھتے ہوئے وہ رسان سے بولی۔ تو زائر کے ذہن میں رشنا کی سلگتی آنکھیں آن ٹھہریں۔

"لیکن رشنا اس بات کے لیے کبھی نہیں مانے گی۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس کا خدشہ زبان پر آگیا تو مہرین مطمئن سی ہو کر مسکرا دی۔

"آپ رشنا کی فکر نہ کریں' اسے گھر کے بڑے خود منالیں گے۔"

"مہرین! اگر ایسا کچھ ہو جاتا ہے تو تمہیں اس بات کا دکھ نہ ہوگا؟" اس کے چہرے سے چھلکتے اطمینان پر نگاہیں جمائے' زائر کو یک لخت عجیب سا احساس ہوا

تھا۔ وہ اس کے مزاج کی "پوزیسیونس" سے باخوبی واقف تھا۔ تبھی تو اس کا رویہ اس کے لیے اچنبھے کا باعث تھا۔

"صرف دکھ نہیں' بہت زیادہ دکھ ہوگا۔ لیکن کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ اس لیے آپ یاد رکھیے گا کہ اب آپ پر میرا ایک قرض ادھار رہا۔" وہ بوجھل لہجے میں کہتی رخ موڑ گئی تھی۔

"کیسا قرض؟" نہ جانے کیوں آج وہ اسے مسلسل حیران کرنے کے درپے تھی۔

"وہ میں وقت آنے پر بتاؤں گی۔ فی الحال ایک ریکویسٹ کرنی تھی کہ اگر یہ معاملہ طے ہو جاتا ہے' تو میں کچھ عرصے کے لیے مما کے پاس رہنا چاہوں گی۔"

"لیکن کیوں؟" اب کے اس کی فراخ پیشانی پہ بے شمار بل نمودار ہوئے تھے۔

"کیونکہ میں اپنے حوصلے کا امتحان ایک حد تک دے سکتی ہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی تو وہ بے اختیار کھول اٹھا۔

"یہ کچھ عرصے کے لیے نہیں' بلکہ ساری عمر کا امتحان ہوگا!"

"جانتی ہوں۔ اس امتحان میں کامیابی کے لیے ہمت مجتمع کرنے ہی تو جاؤں گی۔"

"تو تمہیں یہ سب کرنے کو کہہ کون رہا ہے؟" وہ اب اس تکرار سے بری طرح چڑ گیا تھا۔

"میرا دل!" وہ اس کی جانب پلٹتے ہوئے بولی تو زائر اسے کڑی نگاہوں سے گھور کر رہ گیا۔

"تم مجھے پاگل کر دو گی۔" ایک جھٹکے سے اسے اپنے سامنے سے ہٹاتا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا' بالکونی سے تو کیا کمرے سے ہی نکلتا چلا گیا' تو بے اختیار اک گہری سانس لیتی وہ نزدیک پڑی کین کی کرسی پر گر سی گئی۔

☼ ☼ ☼

آنے والے دنوں میں مہرین اس کی مسلسل برین واشنگ کرتی رہی تھی۔ جس کے نتیجے میں زائر نے بالآخر ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس کے بعد اس نے ساس' سسر اور بی جان سے کیا کہا' ماں' باپ کو کیسے منایا' یہ ایک الگ داستان تھی۔ لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ اس کے بعد نعیمہ بیگم اور منصور صاحب سے عصمت اور وقار ہمدانی نے نہ کچھ پوچھا اور نہ ہی کچھ کہا تھا۔ ان دونوں کا یوں بنا کسی پس و پیش کے بیٹی کی بات پر رضامند ہو جانا خاصے تعجب کی بات تھی۔ لیکن چونکہ نعیمہ کے لیے یہی بہت تھا کہ مہرین اپنی مرضی اور خوشی سے یہ کام کرنا چاہتی ہے' سو انہوں نے خاموشی میں ہی بہتری جانتے ہوئے اس کی کچھ عرصہ "ہمدانی ہاؤس" جا کر رہنے کی شرط پہ بھی کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ وہ اس کی قربانی اور اعلا ظرفی کی دل سے قائل تھیں' سو اس کی ذات کو مزید کسی امتحان سے دوچار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

یوں مزید کسی تاخیر کے بی جان نے سب سے مشورہ کرنے کے بعد' یہ بات آخر کار عاصمہ اور ظہیر کے سامنے رکھی تھی۔ جس پہ ظاہر ہے' ان کا پہلا ردعمل حیرت و پریشانی کا تھا۔ لیکن سب کے سمجھانے اور اس یقین دہانی پہ کہ اس سارے معاملے میں زائر اور مہرین کی سو فیصدی رضامندی اور خوشی شامل ہے' عاصمہ بیگم نے رشنا سے بات کرنے کی ہامی بھری تھی کہ بہرکیف آخری فیصلے کا اختیار اسے ہی تھا۔

لیکن جب عاصمہ کے ذریعے یہ بات رشنا کو پتا چلی تو وہ غصے اور حیرت کے باعث سوچنے تو کیا بولنے کے بھی قابل نہ رہی تھی۔ لیکن جونہی اس کا ماؤف دماغ اس بات کو سمجھنے کے قابل ہوا' وہ غیض و غضب میں بھری بنا کسی کی پروا کیے اسٹڈی میں بیٹھے زائر کے سر پہ آ پہنچی تھی۔ جو اسے یوں اچانک اپنے سامنے پا کر' بنا کچھ کہے سنے بھی ساری بات سمجھ چکا تھا۔

سامنے کھلی فائل بند کرتے' اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے' اطمینان سے اس کی جانب دیکھا تھا' جو دھونکنی کی طرح چلتی سانس کے درمیان' اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"یہ پانی پیو اور اپنے دماغ کو ٹھنڈا کرو۔" چند لمحے اس کی طرف دیکھنے کے بعد زائر نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل

پر رکھا گلاس اس کی جانب بڑھایا تو آن واحد میں رشنا نے پوری قوت سے ہاتھ مار کر گلاس گرا ڈالا' جو ایک زبردست چھناکے کے بعد بے شمار ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔

"آپ کی ہمت کیسے ہوئی کہ آپ نے مجھ سے شادی کرنے کے بارے میں سوچا بھی!" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بے خوفی سے غرائی تو زائر نے ایک نظر بکھرے ہوئے کانچ پر ڈالتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"اس لیے کہ اس ہی میں ہم سب کی بہتری ہے۔"

"ہم سب کی یا آپ کی' جسے صرف اولاد چاہیے!" طنزیہ نظریں اس کے چہرے پر جمائے وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔

"ہاں میری جسے اولاد چاہیے اور تمہاری جسے ایک مضبوط سائبان چاہیے!" بنا کسی جھجک کے وہ دوبدو بولا تو رشنا ایک لمحے کو سن سی ہو گئی۔ حقیقت تلخ سہی' لیکن چونکہ دونوں میں سے کوئی بھی نادان نہ تھا۔ سو زائر نے سچائی سے چھپنے کے بجائے کھل کر بات کرنے کی ٹھانی تھی' تاکہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پیشتر وہ دل سے نہیں' دماغ سے کام لے۔

"حیرت ہے میری اتنی پروا آپ کو کب سے ہونے لگی؟" آنکھوں میں نمی اور لبوں پر تلخ مسکراہٹ سجائے وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولی تھی۔

"آج سے نہیں پچھلے چار سالوں سے ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کبھی تمہیں تھی!" اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے وہ بیک وقت اپنی محبت کا اعتراف اور اس کے جذبات سے آگہی کا انکشاف کرتے ہوئے' رشنا کے قدموں تلے سے زمین سرکا گیا تھا۔

چار سال پیشتر اپنے دل کی درست گواہی کا احساس اگر اس پل اسے عجیب سے احساسات سے دوچار کر گیا تھا' تو دوسری جانب اپنی ذات اور محبت کی اس درجہ کمزوری اسے ایک لمحے کو بکھیر گئی تھی۔

یہ سوچ کہ وہ اپنے جذبات اور احساسات کو باوجود کوشش کے' سامنے کھڑے اس خود پسند شخص سے چھپا نہ پائی تھی' اسے لڑکھڑانے پر مجبور کر گئی تھی۔

بے اختیار ہاتھ بڑھا کر نزدیکی کرسی کا سہارا لیتے ہوئے اس نے پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے زائر کی جانب دیکھا' جو سینے پہ ہاتھ باندھے انتہائی سکون سے اس کے تاثرات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

یک لخت رشنا کے اندر اپنی گم گشتہ محبت اور شان بے نیازی سے ایستادہ اس مغرور شخص کے لیے بے تحاشا نفرت کا احساس جاگا تھا۔ جس نے ہمیشہ اپنی ذات کے زعم اور انا کی تسکین کے لیے رشنا کے وجود کی نفی کرتے ہوئے' سب کے سامنے اس کی ذات کی دھجیاں بکھیری تھیں۔ جس نے سوائے اذیت اور آنسوؤں کے اسے کبھی کچھ اور نہ دیا تھا۔ اور آج بھی محض اپنی زندگی کی محرومی دور کرنے کے لیے اسے رشنا کی بہتری اور اپنی محبت یاد آئی تھی۔ واقعی! انسان سے بڑھ کر مطلب پرست اور خود غرض مخلوق اور کوئی نہیں!

"ہاں تھی' لیکن اب نہیں ہے۔ آپ سے متعلق ہر جذبہ آپ کی ہی نفرت کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اور جس دن آپ کی ذات اور آپ کے فیصلے کو حوالہ بنا کر میرے کردار پر کیچڑ اچھالا گیا' اس روز میرے اندر موجود محبت اپنی موت آپ مر گئی تھی۔ لہٰذا اب مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ آپ کا دماغ پچھلے چار سال سے کیا خرافات پالے ہوئے ہے۔ لیکن میرے بارے میں خوش فہمیاں پالنے سے قبل آپ کو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ آپ سے شادی تو دور کی بات میں آپ کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتی۔ زائر منصور کی ذات میرے لیے ایک عذاب' ایک اذیت کے سوا اور کچھ......"

"چٹاخ" زائر کا ہاتھ اٹھا تھا اور مقابل کھڑی رشنا کا چہرہ گھوم کر رہ گیا تھا۔

"زائر منصور ایسے لب و لہجے کا عادی نہیں۔ یہ حقیقت تم یاد رکھنا!" اپنی سرخ نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑے وہ جیسے غرایا تھا۔ جبکہ رشنا جو اس درجہ شدید ردعمل کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔ چند لمحوں کی

بے یقینی کے بعد بے اختیار چلا اٹھی تھی۔

"یاد رکھوں گی۔ بالکل یاد رکھوں گی کہ زائر منصور میں سچائی سننے کی ہمت نہیں۔ اور اب آپ بھی میری ایک بات یاد رکھیے گا! میں مرتی مر جاؤں گی' مگر آپ کا احسان کبھی نہیں لوں گی۔ سمجھے آپ!" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بے خوفی سے اپنی بات مکمل کرتی' اسٹڈی سے نکلتی چلی گئی تو دونوں ہاتھوں میں سر تھامے زائر جیسے تھک کر کرسی پر گر سا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

زندگی میں ایسے بہت سے مقام آتے ہیں۔ جب انسان مکمل طور پر بے بس ہو جاتا ہے۔ اور اسے بے بس کرنے والے کوئی اور نہیں بلکہ اس کے اپنے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے جن کی محبتیں جب اپنا حق طلب کرنے کھڑی ہو جاتی ہیں تو انسان کے پاس سوائے پسپائی اختیار کرنے کے دوسرا کوئی راستہ نہیں بچتا۔

یہی رشنا کے ساتھ بھی ہوا تھا' جس کے آگے جب بی جان نے' سب کے سامنے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے تھے' تو اس کا انکار' مزاحمت' غصہ ہر چیز دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ اور وہ جو بڑے زعم سے زائر کے منہ پہ انکار کر آئی تھی۔ انتہائی بے بسی سے ایک بار پھر اپنی قسمت کا فیصلہ دوسروں کی ایما پر اس شخص کے حق میں دے بیٹھی تھی۔ جس کے ساتھ کی کبھی اس کے دل نے شدت سے تمنا کی تھی۔ مگر جسے آج شام ایک سادہ سی تقریب میں اپنے ہم سفر کی حیثیت سے قبول کرتے ہوئے اس کے اندر سوائے سناٹوں کے اور کچھ نہ تھا۔ محبتوں کے اس خراج نے اسے یک لخت ہی جیسے تہی دامن کر دیا تھا۔ اب نہ اس کے پاس دل تھا اور نہ ہی کوئی جینے کی امنگ! اپنی ذات کے لیے اس کے پاس سوائے ترس کے اور کوئی جذبہ نہ تھا۔

اپنے علاوہ اگر اس سارے قصے میں وہ کسی کے لیے کچھ محسوس کر رہی تھی' تو وہ تھی مہرین کی ذات۔ جو جانے کیوں اسے اپنا ہی پرتو لگ رہی تھی۔ گو کہ وہ نکاح سے ایک ہفتہ قبل اپنی ماں کے ساتھ اسلام آباد چلی گئی تھی' مگر پھر بھی نہ جانے کیوں رشنا کو اس کی سسکیاں اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھیں۔ یوں جیسے وہ اس کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔ اسے اپنا آپ کسی غاصبہ کا سا لگ رہا تھا۔ جس نے ایک مجبور عورت کی محرومی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی زندگی کے اندھیرے دور کرنا چاہے تھے۔

وحشت' گھبراہٹ اور گھٹن کے احساس سے مغلوب ہو کر اس نے اپنا ہلکے پھلکے انداز سے سجا سنورا روپ بری طرح نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔ ساتھ ہی فریش فلاورز سے کی گئی کمرے کی آرائش کو بھی تہس نہس کرتے ہوئے کتنے ہی بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز پوری قوت سے دیوار پر دے مارے تھے۔

اپنی بے بسی کا انتقام وہ جیسے اس کمرے کی ہر چیز کو بگاڑ کر لینے پر تلی ہوئی تھی۔ بیڈ شیٹ' تکیے' صوفے کے کشنز' ڈریسنگ ٹیبل سے میک اپ کا سامان ہر چیز چند ہی منٹ میں زمین بوس ہو چکی تھی۔ جبکہ وہ خود نڈھال سے انداز میں دیوار سے سر ٹکائے نیچے کارپٹ پر گر سی گئی تھی۔

رات ایک بجے کے قریب نعیمہ کی زبردستی پر لاؤنج میں جمی ان سب کزنز کی محفل برخاست ہوئی تھی۔ اور وہ سب ہنستے مسکراتے ہوئے زائر کو اس کے کمرے تک پہنچا گئے تھے۔ جس کے سامنے کھڑے اس پر پھر وہی عجیب سی گومگو کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی' جس نے آج صبح سے اس کے اندر ڈیرے جما رکھے تھے۔

نہ جانے کیوں اس کے نصیب میں کاتب تقدیر نے ادھوری اور الجھی ہوئی خوشیاں لکھ رکھی تھیں۔ یوں کہ ہر خوشی کے موقعے پر اس کا دل خالص اور مکمل خوشی کے احساس سے محروم رہا تھا۔

اک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے ایک بار پھر دروازے کی جانب دیکھا' اور اگلے ہی پل ہمت مجتمع کرتے ہوئے اسے کھول کر کمرے کے اندر قدم رکھ دیا تھا۔

رشنا کی جانب سے کسی خوشگوار استقبال کی امید تو

اسے پہلے بھی نہ تھی۔ لیکن اندر داخل ہونے پر اس ابتری کا سامنا کرنا پڑے گا اس بات کا اسے اندازہ نہ تھا۔ بے اختیار اک تھکی تھکی نگاہ اپنے اطراف میں ڈالتے ہوئے اس نے اس کی جانب دیکھا جو دیوار سے پشت لگائے آنکھیں موندے، مرون جوڑے میں ادھ کھلے بالوں اور بے دردی سے مٹائے گئے میک اپ کے ساتھ خود سے بھی ناراض لگ رہی تھی۔

بوجھل سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے وہ بلیک شال اور پاؤں میں پہنی بلیک پشاوری چپل سے خود کو آزاد کرتا دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا سائیڈ ٹیبل کے قریب جا رکا تھا جس کے اوپر اور نیچے گرا زیور اٹھا کر دراز میں ڈالتے ہوئے وہ نہایت خاموشی سے ایک کے بعد ایک تمام بکھری چیزیں ٹھکانے لگاتا چلا گیا۔ کارپٹ پر جا بجا بکھرے کانچ کو جھک کر اپنی انگلیوں سے سمیٹتے ہوئے کتنے ہی ٹکڑے اس کی چوڑی ہتھیلی میں کھب گئے تھے۔ مگر اس نے مطلق پروا نہ کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں کمرہ ایک بار پھر اپنی اصل حالت میں آگیا، تو اس نے سر اٹھاتے ہوئے رشنا کی جانب دیکھا تھا، جو اب گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے اپنا چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ وہ اس وقت بے بسی اور تکلیف کی کن انتہاؤں پر تھی' اس بات کا احساس زائر کو باخوبی تھا۔ جس کی ذات انجانے میں ہی سہی 'لیکن ہر بار رشنا کے لیے دکھ اور اذیت کا باعث بنی تھی۔ اس کے درد کو اپنے سینے میں محسوس کرتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے چلتا اس سے کچھ فاصلے پر دیوار کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ میری آواز تمہاری سماعتوں پر کتنی گراں گزر رہی ہوگی۔ لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ تم مجھے سنو۔ ہر اس احساس کو سنو، جسے آج تک زباں دینے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ چاہے وہ میری عاصمہ چچی سے نفرت تھی یا تمہاری ذات سے محبت!" دور خلاؤں میں نگاہ جمائے وہ جیسے کسی غیر مرئی قوت کے زیر اثر بولا تھا۔

"تم سے میرا پہلا تعارف عاصمہ چچی کی بیٹی کی حیثیت سے ہوا تھا۔ اس شخصیت کے حوالے سے جس کے بارے میں میرے ننھے ذہن میں سوائے خوف اور تلخیوں کے تیسرا کوئی تاثر موجود نہ تھا۔ جسے میں نے ہمیشہ اپنے ساتھ ساتھ اس گھر کے ہر فرد پر چیختے چلاتے ہی پایا تھا' اور جو دن میں نہ جانے کتنی ہی بار میری ماں کے خاموش آنسوؤں کا سبب بنتی تھی۔ ان آنکھوں کا ایک ایک آنسو مجھے اپنے دل پہ گرتا محسوس ہوتا تھا۔

تم سے چڑنے اور نفرت کرنے کے لیے ایک چھوٹے سے بچے کے پاس یہ ایک بہت بڑی اور ٹھوس وجہ تھی۔ جس میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا' لیکن اپنے اندر کی اس بے معنی دشمنی کو ختم کرنے سے قاصر رہا۔ جو اس کی ذات سے تمہارے گریز کے باعث رفتہ رفتہ اس کی ضد اور انا کا مسئلہ بن چلی تھی۔

اور پھر ایک روز اچانک بڑا عجیب سا لمحہ اس کی زندگی میں آیا۔ اور اس کی اٹھائیس سالہ بے زاری کو جڑ سے اکھاڑ لے گیا۔ اور وہ حیرت زدہ سا اپنی نفرت کو محبت میں تبدیل ہوتا دیکھتا رہ گیا۔" بولتے بولتے زائر خاموشی سے پلکیں موند گیا تھا۔ اور وہ ساحر پل ایک بار پھر پوری جزئیات سمیت اس کے ذہن میں روشن ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج اس نے گزشتہ چار سالوں کی طرح سر جھٹک کر اس سے دامن نہیں چھڑانا چاہا تھا۔ بلکہ پہلی بار اس پر اپنا حق سمجھتے ہوئے اسے پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

"میں اس لمحے کی خوبصورتی بیان کرنے سے آج بھی قاصر ہوں، جس نے میرے دل کی دنیا زیر و زبر کرتے ہوئے مجھے میرے ہی دماغ اور انا کے مقابل لا کھڑا کیا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ محبت کی یہ خوشنما تتلی اپنے حسین رنگ میری زندگی میں ہمیشہ کے لیے بکھیر جاتی، میری عزتِ نفس پر عاصمہ چچی کی جانب سے میرے لیے انکار اور اسد کے لیے اقرار نے، کڑی ضرب لگائی تھی۔

جس کے بعد میں نے اپنے دل اور محبت کے ہر

واسطے کو نظرانداز کرتے ہوئے، تم سے دستبرداری کا فیصلہ کر تو لیا تھا۔ مگر تمہاری نم آنکھوں کے شکوے نے جہاں مجھ پر تمہاری دلی کیفیت عیاں کر ڈالی تھی وہیں مجھ سے میرا سکون و قرار بھی چھین لیا تھا۔ جس کے بعد میں پھر کبھی چین سے نہ رہ سکا تھا۔" جلتی ہوئی آنکھیں کھول کر زائر نے اپنی گفتگو کے دوران پہلی بار رشنا کی جانب دیکھا تھا، جو ہنوز گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ لیکن اب اس کا وجود کسی بت کی مانند ساکت نہیں، بلکہ ہلکے ہلکے جھٹکے لے رہا تھا۔

اس کے پے در پے کیے گئے انکشافات کو سہنا یقیناً" رشنا کے لیے آسان نہ تھا۔ لیکن زائر کے لیے مزید اس کی بدگمانیوں کو جھیلنا ناممکن ہو چلا تھا، تبھی تو اس کی تکلیف اور ذہنی اذیت کا اندازہ ہونے کے باوجود وہ ایک بار پھر سلسلہ کلام جوڑ چکا تھا۔

"بے ایمانی کا میں کبھی بھی قائل نہیں رہا۔ سو تم سے اور اپنے اندر سے بچنے کے لیے، میں نے یہ گھر تو کیا ملک تک چھوڑ دیا، تاکہ اپنی نئی زندگی کا ہر فرض احسن طریقے سے نبھا سکوں۔ مگر روٹھے دل سے میرا رابطہ پھر کبھی بحال نہ ہو سکا۔ اور جس دن مجھے تمہاری طلاق کی خبر ملی، اس دن تو گویا دل کی عدالت نے مجھے واضح طور پر تمہاری بربادی کا ذمے دار ٹھہراتے ہوئے پچھتاوے کی آگ میں جلنے کے لیے پھینک دیا تھا۔

ہر لمحہ ایک کسک کے ساتھ جینا کتنی بڑی سزا ہے، یہ کوئی مجھ سے پوچھے، جسے اف تک کرنے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن پھر بھی میں جی رہا تھا، اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہا تھا۔ لیکن جب میری زندگی کی ایک محرومی کو، دوسرے کی محرومی دور کرنے کا وسیلہ بنا دیا گیا، تب میرے قدم لڑکھڑا گئے۔ میں اگر ایک طرف مہرین کو بنا کسی قصور کے اتنی بڑی سزا نہیں دینا چاہتا تھا، تو دوسری طرف تمہیں بھی آزمائشوں کو جھیلنے کے لیے تنہا چھوڑنے پر میرا دل کسی طور پر آمادہ نہ تھا۔

سچ کہوں تو میرے حوصلے اور ہمت کو شاید اس سے کڑے امتحان کا سامنا زندگی میں پہلے کبھی نہ کرنا پڑا تھا۔ اور تب اچانک مہرین نے اپنی رضا مجھ پر واضح کرتے ہوئے جہاں مجھے حیرت سے گنگ کر ڈالا، وہیں میری الجھنوں کو بھی پار لگا دیا۔

میں جانتا تھا کہ تم مجھ سے بدگمان ہو، اور کبھی مجھ سے شادی کے لیے تیار نہ ہو گی۔ لیکن چاہے تم مجھے مطلبی سمجھتی یا خودغرض، بے حس یا جانور، میں تمہیں یوں برباد ہونے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ میں نے جو تم پر ہاتھ اٹھایا، اس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔ مجھ میں ایک بار پھر سے تمہیں کھونے کا حوصلہ نہ تھا، سو میں اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا اور آج جب بالآخر میں تمہیں پا لیا ہے، تو میرے سارے اندیشے سارے وسوسے کہیں دور جا سوئے ہیں۔ میں نے اپنی محبت کا قرض آج ادا کیا۔ اب مجھے تم سے اور کچھ نہیں چاہیے۔ تمہارے نام کے ساتھ، میرا نام جڑ چکا ہے، میرے دل کے اطمینان کو یہی بہت ہے۔

تمہیں مزید تکلیف دینے کے بارے میں، میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ سو تم مکمل طور پر پرسکون ہو جاؤ، کیونکہ اپنی ذات کو تم پر مسلط کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔" اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ آہستگی سے اٹھ کر ڈریسنگ روم میں جا گھسا تھا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز نے کمرے کی خاموشی میں ایک پل کو ارتعاش پیدا کیا تو رشنا کے ساکت وجود میں بے اختیار حرکت پیدا ہوئی تھی۔ دھیرے دھیرے سر اٹھاتے ہوئے اس نے اپنی متورم نگاہیں بائیں جانب نظر آتے دروازے پر ٹکا دی تھیں۔

آج کے دن کا آغاز جتنی بدگمانیوں اور وحشت سے ہوا تھا۔ اس کا اختتام اتنی ہی متضاد کیفیات پر ہوا تھا۔ وہ زائر کی جانب سے ہر طرح کے رویہ کی توقع کیے تھی، لیکن اس سب کے بارے میں تو اس نے گمان بھی نہ کیا تھا۔ حیرت سی حیرت تھی، بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اس کے اندر اٹھتا جوار بھاٹا حیران کن طور پر ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اور سالوں سے اس کی ذات میں پنہاں بے شمار خاموش سوالات بالکل اچانک ہی جوابات پا چکے تھے۔ یہ سب کچھ اس قدر غیر متوقع طور پہ ہوا تھا کہ اس کے آنسو خشک، دماغ ماؤف

اور اعصاب سن ہو چکے تھے۔

کچھ دیر بعد زائر چینج کر کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں کمبل تھا۔ جسے بیڈ کے ایک طرف رکھتے ہوئے وہ خاموشی سے سوئچ بورڈ کی جانب بڑھ گیا۔ بنا رشنا کی جانب دیکھے بھی وہ مسلسل اس کی نگاہیں خود پر محسوس کر رہا تھا۔ جنہیں مکمل طور پر نظرانداز کیے وہ اگلے ہی پل لائٹ آف کر کے، نائٹ بلب آن کرتا، بیڈ کے انتہائی سرے پہ سر تاپا کمبل لپیٹے اس کی حیران پریشان نگاہوں کے سامنے دراز ہو چکا تھا۔

✵ ✵ ✵

ساری رات اس کی منکشف کی گئی حقیقتوں کو پرکھتے ہوئے آنکھوں میں کٹی تھی۔ جس کے نتیجے میں صبح جب وہ اٹھی تو طبیعت خاصی بوجھل اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود دل حیرت انگیز طور پر پچھلے دنوں کی نسبت کافی حد تک پرسکون تھا۔

رات زائر کے لیٹ جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر، تذبذب کے عالم میں، وہیں دیوار کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔ مگر جب تھکن حد سے سوا ہونے لگی، تب بڑی خاموشی اور احتیاط کے ساتھ وہ آہستگی سے آ کر بیڈ کی دوسری جانب دراز ہو گئی تھی۔ یہ جانے بنا کہ اس کی تمام تر احتیاط کے باوجود، اس سے چند فٹ کے فاصلے پر بظاہر سوئے لیکن درحقیقت جاگتے وجود نے بے اختیار سکھ کا سانس لیتے ہوئے، اتنی دیر میں پہلی بار پلکیں موندی تھیں۔ ٹھنڈ میں اکڑ کر بیٹھی رشنا کی تکلیف کو نظرانداز کر کے سونا، اس کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔

دوسری جانب رشنا پر اور کچھ نہیں تو زائر کے قول کی سچائی پوری طرح سے واضح ہو چکی تھی۔ اور یہی چیز اسے بار بار اس کی باقی تمام باتوں کو بھی سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ جنہیں فی الحال ذہن سے زبردستی نکالتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹتے، اس نے قدرے اچک کر اپنی دائیں جانب دیکھا۔ جہاں گہری نیند میں سوئے زائر کے چہرے سے کمبل ہٹ چکا تھا۔ اور کمرے میں پھیلی مدھم سی روشنی میں رشنا کے لیے اس کے ساحر نقوش سے نظر چرانا مشکل ہو گیا تھا۔ جسے شاید اسے زندگی میں پہلی بار اتنے قریب اور اس قدر غور سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔

بے اختیار اس کی نگاہیں زائر کی کشادہ پیشانی اور اس پر بکھرے براؤنش بلیک بالوں سے ہوتی ہوئی، اس کی لمبی لمبی پلکوں سے سجی بند آنکھوں پر آن ٹھہری تھیں۔ جن کے درمیان اس کے اٹل ارادوں کا پتا دیتی سیدھی کھڑی ناک اور اس کے نیچے موجود بھرے بھرے سے لب اس کے چہرے کو انتہائی وجیہہ تاثر دے رہے تھے۔

ہمہ وقت چہرے پر چھائی رہنے والی شان بے نیازی اس پل سرے سے مفقود تھی۔ گہری نیند میں اس کا چہرہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح معصوم اور بے ریا لگ رہا تھا۔ ہر غم، ہر فکر سے آزاد بالکل پرسکون!

کتنی ہی دیر اس کے چہرے کو بے دھیانی میں تکنے کے بعد وہ اک گہری سانس لیتے ہوئے بیڈ سے اتر آئی۔ اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی باتھ روم میں جا گھسی۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ شاور لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو نظر سیدھی، بیڈ پر نیم دراز، زائر کی نظروں سے جا ٹکرائی تھی۔

ڈبل شیڈ کے بے بی پنک اور لائٹ بلیو ایمبرائیڈڈ سوٹ میں، گیلے بال پشت پر بکھرائے وہ بنا دوپٹے کے ایک لمحے کو زائر کا دل دھڑکا گئی۔ لیکن اگلے ہی پل وہ اس کے گلابی پڑتے چہرے سے نگاہیں چرائے، خود پہ قابو پاتا تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب سے گزرتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے یوں منظر سے غائب ہونے پر رشنا بے اختیار اک گہری سانس لیتے ہوئے، خود کو نارمل کرتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ بیٹھی۔ اور تبھی دروازے پر ہلکی سی دستک دیتے ہوئے ردا، ایمن اور نادیہ اندر چلی آئی تھیں۔

"السلام علیکم!" تینوں مسکراتے ہوئے اس سے ملیں تو وہ بھی مسکرا دی۔

"تمہارے دولہا بھائی کہاں ہیں بھئی؟" ایمن نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔
"باتھ روم میں ہیں۔"
"او۔ کے۔ اور تمہیں کیا سسرال کا نام بدنام کرنا ہے، جو یہ پھیکا سا جوڑا پہن کر بیٹھ گئی ہو۔ ابھی تمہارے میکے والے ناشتا لے کر آئیں گے، تو کیا سوچیں گے!" ایمن نے شرارت سے اسے گھر کا تو ردا اور نادیہ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی مسکرا دی۔
"ویسے کتنے مزے کی بات ہے ناکہ روشی صاحبہ کی زندگی میں سسرال نام کا کوئی ٹنٹنا ہی نہیں۔" امی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"فکر نہ کرو، تمہارے بھی اتنے ہی مزے ہوں گے!" ردا نے معنی خیزی سے کہا، تو سب کے ساتھ ایمن بھی ڈھٹائی سے ہنس پڑی۔
"اصل سزا تو بے چارے زائر اور فہد کو ملے گی، جو ان دونوں پر صحیح سے رعب بھی نہ جماسکیں گے کہ کہیں آواز سن کر ساس، سسر کی کمرے میں انٹری نہ ہو جائے!" نادیہ مضحکہ خیز لہجے میں بولی، تو کمرے میں ایک بار پھر ان کی ہنسی کھنک اٹھی۔
"ویسے یار! تم نے کبھی سوچا تھا کہ تمہاری شادی زائر سے ہوگی، جو ہر لمحہ تم پہ چڑھ دوڑنے کو تیار رہتا تھا؟" امی نے ہلکے پھلکے سے انداز میں پوچھا تو رشنا کے مسکراتے لب جڑ سے گئے۔ بے اختیار وہ ہیئر برش اٹھانے کے بہانے ان کی جانب سے رخ موڑ گئی تھی۔
"نہیں!" وہ آہستگی سے بولی۔
"اور میں نے آج سے کافی سال پہلے تم سب کو اس بارے میں "کلیو" دے دیا تھا!" ردا نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے کہا، تو ڈریسنگ روم سے اچانک باہر آتے زائر نے خوشدلی سے اس کی بات اچکی تھی۔
"کون سا "کلیو" دے دیا تھا بھابھی صاحبہ؟" اور رشنا کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ بے اختیار اس کی نگاہیں آئینے میں نظر آتے زائر کے عکس پر جا ٹھہری تھیں۔ جو کمرے کے وسط میں کھڑا ردا کی جانب مسکراتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہی کہ تم کافی سال پہلے رشنا کی محبت میں گرفتار ہو چکے تھے۔" بنا کسی جھجک کے ردا کی جانب سے جواب موصول ہوا تھا۔
"اچھا۔۔۔ لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟" بھنویں اچکاتے ہوئے اس نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔
"جناب! ہم اڑتی چڑیا کے پر گننے والوں میں سے ہیں۔" اس نے گردن اکڑائی تھی۔
"ویری ویل۔۔۔ تو پھر رشنا کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اس کے پر گنے تھے؟" اس نے شرارت سے ایک نظر رشنا پہ ڈالتے ہوئے کہا، تو کمرہ جیسے کشتِ زعفران بن گیا۔ جبکہ رشنا کی پلکیں آن واحد میں بوجھل ہو کر جھک چلی تھیں۔
"نہیں صاحب! یہ بڑی گھنی چیز ہیں۔ اس بارے میں تو یہ خود ہی ہمیں کچھ بتائے تو بتائے۔ ہاں تو مائی ڈیئر روشی! تم ہی بتادو اپنے شوہر نامدار کو کہ تم بھی ان کے عشق میں گرفتار تھیں یا نہیں؟" ردا نے توپوں کا رخ اس کی جانب موڑ دیا تو وہ بری طرح گھبرا گئی۔ اس پہ مستزاد زائر کی شوخ نگاہیں، اس کا چہرہ تاپتے ہوئے بھی بری طرح تپ اٹھا تھا۔
"اوہ گاڈ! دس از بلش انگ۔ اٹ مینز کہ اس طرف بھی گڑبڑ تھی اور ہمیں پتا ہی نہیں چلا!" امی خوشگوار حیرت کے زیر اثر چلائی، تو ردا اور نادیہ کی آنکھیں بھی مارے حیرت کے پھیل گئیں۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ تینوں مل کر زائر کے سامنے اس کا ناطقہ بند کر دیتیں۔ خفت زدہ سی رشنا تیزی سے بول اٹھی تھی۔
"جی نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تم لوگوں کی فضول گوئی پر شرمندہ ہو رہی ہوں۔ جسے میرے خیال میں اب ختم ہو جانا چاہیے، کیونکہ نیچے سب ہمارا ویٹ کر رہے ہوں گے۔" وہ بنا کسی کی طرف دیکھے تیزی سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھ گئی، تو وہ تینوں زائر کی جانب دیکھتے ہوئے معنی خیزی سے مسکرا دیں۔ جو اپنی بے ساختہ امڈتی ہنسی کا گلا گھونٹتے ہوئے تیزی سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

...روز مرہ کے کاموں میں وقت سب کو الجھائے ...ے گزرتا چلا جا رہا تھا۔ ان کی شادی کو ڈھائی ماہ کا ...ونے کو تھا۔ لیکن ان کے درمیان موجود فاصلے ...بھی اول روز کی طرح قائم تھے، جنہیں بانٹنے کی ...میں سے کسی نے بھی کوشش نہ کی تھی۔ سب ...امنے ایک دوسرے کے ساتھ ہنستے بولتے وہ بظاہر ...مطمئن اور خوش نظر آتے، جس پہ بی جان ...بھی نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ لیکن کمرے کی ...میں ان کا تعلق ضروری بات چیت اور ایک ...ے کی ضروریات زندگی کا خاموش خیال رکھنے ...ی محدود تھا۔ جس پہ زائر اگر مطمئن تو رشنا حیران ...جس کی سوچیں ہر گزرتے دن کے ساتھ غلط ...ہوتی جا رہی تھیں۔ اور وہ جو یہ سمجھے ہوئے تھی ...ائر اس سے فقط اپنی غرض کے لیے شادی کر رہا ...دھیرے دھیرے اس کی کہی باتوں پر غور کرنے پر ...ہو چلی تھی۔
...وہ خود اس کی سوچوں کے اتار چڑھاؤ سے ...ے اپنا نام دے کر حقیقتاً" بہت مطمئن تھا۔ ...ے اس کا مقصد محض رشنا کی زندگی کو محفوظ ...ے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مہرین سمیت تمام گھر ...کو وہ کیا کہہ کر مطمئن کرنے کی ٹھانے بیٹھا تھا۔ ...و قطعا" اندازہ نہ تھا۔ لیکن بہرکیف وہ اندر ہی ...اس بارے میں پریشان تو تھی۔
...ات جلد یا بدیر اٹھنی تھی اور سب کو فیس کرنے ...ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھلانے کے لیے کافی ...بھلا زائر کیسے اس قدر اطمینان سے تھا۔ گھر میں ...اں اکثر مہرین کو واپس لانے کا ذکر ہونے لگا تھا، ...ک آدھ بار اس کی گود بھرنے کے حوالے سے ...ہو چکی تھی۔ جس پہ رشنا کا دل تو اچھل کے ...میں آگیا تھا۔ لیکن زائر کے تاثرات میں کوئی ...فرق پڑتا نظر نہ آیا تھا۔ اور اس کا یہی اطمینان ...کے لیے اچنبھے کا باعث تھا۔ جو بنا کسی پریشانی کے ...تائی امی اور تایا ابا کی ہدایت کے عین مطابق، ...انصاف سے کام لیتے ہوئے مہرین اور اس کے درمیان اپنے شب و روز تقسیم کیے ہوئے تھا۔
اس روٹین کا مہرین پر کیا اثر پڑا تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن کم از کم اس کے لیے مہرین کا وجود کسی تکلیف یا حسد کا باعث نہ تھا۔ وہ ہمیشہ سے حقیقت پسندی کی قائل رہی تھی۔ اور حقیقت یہ تھی کہ زائر اور مہرین کی زندگی میں اگر کوئی تیسری ہستی داخل ہوئی تھی تو وہ رشنا ظہیر کی ذات تھی، مہرین ہمدانی کی نہیں۔ سو اس کے نزدیک مہرین کے لیے تنگ نظری اختیار کرنے کا اسے کوئی حق نہ تھا۔ اور جب وہ ایک چیز کا سرے سے حق ہی نہیں رکھتی تھی تو پھر بھلا کیسی تکلیف اور کہاں کی جلن!
بلکہ اسے تو یہ سوچ بھی رہ، رہ کر شرمندہ کرتی تھی کہ محض ایک اس کی وجہ سے مہرین اپنے گھر سے بے گھر ہوئی پھر رہی تھی۔ سب کا اصرار اپنی جگہ، لیکن اکثر اس کا جی چاہتا کہ وہ مہرین سے فون پر بات کر کے اسے گھر واپس آنے کے لیے کہے۔ ان کا تعلق گہرا نہ سہی، لیکن اس حد تک تو بحال ہو جائے کہ وہ پہلے کی طرح ایک دوسرے سے بات چیت کر سکیں۔ لیکن نہ جانے کیوں اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی اس میں ہمت نہ پڑتی تھی۔ مہرین کو فیس کرنے، اس سے بات کرنے کا احساس اسے ہر بار پیش قدمی سے روک دیتا تھا۔ اور وہ بے بسی سے اپنی کم ہمتی کو کوس کر رہ جاتی تھی۔
اس تکون میں وہ خود کو بڑی اکورڈ پوزیشن پہ محسوس کرتی تھی۔ جبکہ جن دو شخصیات کی ایما پر یہ تکون تشکیل پائی تھی، وہ اس کے احساسات سے بے خبر بڑے آرام سے اس میں ایڈجسٹ کر چکے تھے۔ کم از کم اسے تو یہی محسوس ہوتا تھا۔ اب حقیقت کیا تھی، یہ تو وہ دونوں یا ان کا اللہ ہی بہتر جانتا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کے کھانے کے بعد وہ تایا ابا کی فرمائش پہ گرین ٹی بنا لائی تھی۔ جسے تمام مردوں کو لاؤنج میں سرو کرتی وہ خواتین کی جانب چلی آئی، جو بی جان کے

کمرے میں محفل جمائے بیٹھی تھیں۔ سب کو سرو کرنے کے بعد وہ اپنا کپ اٹھائے ردا کے برابر فلور کشن پہ آبیٹھی تھی۔

گرم قہوے کا سپ لیتے ہوئے اس نے چھوٹی امی کی جانب دیکھا تھا، جو اپنی کسی ملنے والی کا قصہ حاضرین محفل کو سنا رہی تھیں۔ چونکہ موضوع گفتگو کا اسے اندازہ نہ تھا۔ سو بے دھیانی میں سب کے چہروں سے ہوتی ہوئی اس کی نظر عاصمہ بیگم پر آٹکی تھی۔ جو چہرے پہ نرم سا تاثر سجائے جیٹھانی کی جانب متوجہ تھیں۔

کتنی خواہش تھی اسے، انہیں یوں سب کے ساتھ ہنسی خوشی اتفاق سے بیٹھا دیکھنے کی۔ لیکن انسان بڑا ناشکرا ہے۔ وہ ہمیشہ سے خسارے کا سودا کرنے والوں میں سے رہا ہے۔ جو نعمتیں اس کے پاس موجود ہوتی ہیں، ان کی کبھی قدر نہیں کرتا، اور جو نہیں ہوتیں انہیں پانے کے لیے دیوانہ وار تگ ودو کرتا ہے۔ تاوقتیکہ اسے ٹھوکر نہیں لگتی، اسے اپنے پاس موجود خزانے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ مچھلی پتھر چاٹ کر ہی واپس آئے؟ انسان کو از خود اپنی دسترس میں موجود نعمتوں کی قدر کیوں نہیں ہوتی؟

گہری سانس لیتے ہوئے اس نے ذہن کو حاضر کرتے ہوئے ایک بار پھر گفتگو کی جانب دھیان دیا تھا۔ جو اب مہرین کی جانب مڑ چکی تھی۔

"بھابھی! میرے خیال میں آپ کو مہرین سے واپسی کی بات اب خود کرنی چاہیے!" عاصمہ دھیمے لہجے میں نعیمہ سے مخاطب تھیں۔

"رشنا کے نکاح کے بعد وہ ایک بار بھی گھر نہیں آئی۔ جبکہ یہ سب اس کی اپنی خواہش پہ ہوا تھا۔ اب اس کا یہ رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ آپ میری بات کا غلط مطلب مت لیجیے گا، لیکن میں نہیں چاہتی کہ رشنا پر کوئی بات بنے اور لوگ اسے ظالم اور مہرین کو مظلوم سمجھیں!" انہوں نے مناسب الفاظ میں اپنے خدشات کو زبان دی تھی۔

"میں کیوں غلط مطلب لینے لگی۔ تم نے کوئی ناجائز بات تو نہیں کہی۔ مہرین کا رویہ واقعی بہت نامناسب ہے۔ پہلے تو میں یہ سوچ کر خاموش تھی کہ بچی کی برداشت کا امتحان لینے سے بہتر ہے کہ وہ کچھ عرصہ اپنی ماں کے گھر رہ لے۔ لیکن اس درجہ سب سے قطع تعلق کرلینا کہ وہ ایک فون کرنے کی بھی روادار نہیں رہی، یہ تو حقیقتاً "زیادتی والی بات ہے۔" عاصمہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نعیمہ نے ہمیشہ کی طرح حق کا ساتھ دیا تھا۔ جس پہ سب کے ساتھ ساتھ رشنا کا دل بھی ان کی اعلا ظرفی کا قائل ہوگیا تھا۔ جو سگی بھانجی کی دیورانی کو فوقیت دے رہی تھیں۔ محض اس لیے کہ وہ صحیح بات کر رہی تھیں۔

"تم نے عصمت سے بات کی؟" بی جان متفکر ہو چلی تھیں۔

"جی کی تھی۔"

"پھر کیا کہتی ہے وہ؟"

"یہی کہ اگر مہرین کچھ عرصہ مزید وہاں رہنا چاہتی ہے، تو وہ اس کے ساتھ زبردستی تو نہیں کر سکتیں۔" بوجھل لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ مہرین تو چلو بچی ہے، ناداں ہے۔ کم از کم عصمت کو تو عقل سے کام لینا چاہیے اور پھر گھوم پھر کر وہی بات کہ اگر وہ یہ سب نہیں برداشت کر سکتی تھی تو کیوں خوامخواہ اپنے ساتھ ساتھ شوہر اور باقی سب کو بھی مشکل میں گرفتار کیا۔ ہماری جانب سے تو نہ زائر پر کوئی زور زبردستی کی گئی تھی اور نہ ہی مہرین پر، پھر اب صرف گھر والوں کے ساتھ ہی ناراضی کیوں دکھائی جا رہی ہے۔" بی جان نے کمرے میں موجود تمام افراد کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ جن کے لیے مہرین اور اس کا رویہ دونوں ناقابل فہم ہو چلے تھے۔

"آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں بی جان۔ زندگی کوئی بچوں کا کھیل نہیں، جو اس طرح گزاری جاسکے۔ میں جلد ہی منصور صاحب اور زائر کے ساتھ عصمت کی طرف جاؤں گی۔ اور اسے خود سمجھاؤں گی۔" نعیمہ رسان سے بولی تھیں۔

"اللہ کرے یہ مسئلہ جلد حل ہو جائے۔ مجھے تو اس طرف سے بہت پریشانی ہے۔" بی جان کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔

"آپ پریشان مت ہوں بی جان۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نعیمہ نے نرمی سے ان کے بازو پر دباؤ ڈالتے، تسلی آمیز لہجے میں کہا تو سب ہی اک گہری سانس لے کر رہ گئے۔

"میرے خیال میں اب لیٹنا چاہیے، کافی دیر ہو گئی ہے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عفت گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں تو محفل از خود برخاست ہو گئی۔

✲ ✲ ✲

کپ دھو کر ریک میں رکھتے ہوئے وہ کچن کی لائٹ آف کرتی، کمرے میں چلی آئی تھی۔ جہاں زائر بریف کیس کھولے، اس پہ جھکا کھڑا تھا۔

دروازہ بند کرتی وہ خاموشی سے چینج کرنے کی نیت سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی تھی۔ مگر ابھی دو قدم بھی نہ اٹھا پائی تھی کہ اچانک لائٹ چلی گئی۔

"اوہ گاڈ! اس مصیبت کو بھی ابھی جانا تھا۔" اندھیرے میں زائر کی جھنجلائی ہوئی آواز ابھری تھی۔

"ایک منٹ میں کینڈل جلاتی ہوں۔" رشنا اندازے سے سائیڈ ٹیبل تک پہنچی تھی۔ ٹٹول کر دراز کھولتے ہوئے اس نے ماچس برآمد کی تھی۔ اور اگلے ہی پل تیلی جلا کر، کارنر میں کھڑے آرٹسٹک سے کینڈل اسٹینڈ میں لگی۔ بہت سی موم بتیوں میں سے ایک کو روشن کر دیا تھا۔

"ڈیش اٹ!" مدھم سی روشنی میں زائر بریف کیس میں سے چند فائلز نکالتے ہوئے اپنے دھیان میں بڑبڑایا تھا۔

ہاتھ میں پکڑی ماچس جگہ پہ رکھتے ہوئے رشنا خاموشی سے آگے بڑھی تھی اور تبھی اپنے دھیان میں بریف کیس بند کر کے تیزی سے پلٹتا زائر اس سے ٹکرایا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ ان بیلنس ہو کر گرتی، رشنا اس کا بازو اور زائر اس کا ہاتھ تھام چکا تھا۔

تیزی سے سیدھی ہوتے ہوئے اس نے زائر کی جانب دیکھا تھا۔ اس کے اس قدر قریب تھا کہ کمرے میں پھیلی روشنی میں بھی وہ اس کی آنکھوں اور چہرے کے بدلتے تاثرات کو باآسانی دیکھ سکتی تھی۔ "ہیوگو" کی دلفریب خوشبو اس کے حواسوں پر چھانے لگی، تو بے اختیار تیزی سے دھڑکتے دل کو سنبھالتے اس نے اگلے ہی پل اس کا بازو چھوڑتے ہوئے اپنا دوسرا ہاتھ بھی کھینچنا چاہا تھا۔ مگر زائر کی مضبوط گرفت کے باعث وہ ایسا نہ کر پائی تھی۔ ناچاہتے ہوئے بھی رشنا کی نگاہیں ایک بار پھر زائر کی جانب اٹھی تھیں۔ اور نہ جانے کیوں اس کے دل کے لیے مزید ان جذبوں سے دامن چھڑانا ممکن نہ رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

دونوں کے درمیان اجنبیت کی دیوار کیا گری تھی۔ ان کے رشتے میں حائل ہر طرح کا تناؤ اور بیگانگی اپنے آپ ختم ہو چلی تھی۔ رشنا کے رویے میں بدلاؤ تو زائر بہت عرصے سے محسوس کر رہا تھا۔ لیکن یہ تبدیلی محض اس کے مزاج میں نہیں، بلکہ اس کی سوچوں اور جذبات تک میں وقوع پذیر ہو چکی تھی۔ اس حقیقت کا اسے اندازہ نہ تھا۔

اس روز ماحول کا اثر تھا یا کیا، جو وہ بے اختیاری میں اس کے ہاتھ پہ اپنی گرفت مضبوط کر بیٹھا تھا۔ لیکن رشنا کے چہرے پر تیزی سے پھیلتے رنگوں نے اسے ایک لمحے کے لیے ساکت کرتے ہوئے اس کی ذات میں در آنے والی بہت سی خاموش تبدیلیاں بھی اس پہ عیاں کر ڈالی تھیں۔ جن کے پیش نظر اسے فیصلہ کرنے میں محض ایک لمحہ لگا تھا۔

اپنے اس فیصلے پر نہ اسے کوئی پچھتاوا ہوا تھا اور نہ ہی رشنا کو، جس کے دل و دماغ پر چھایا سوچوں کا غبار اور عجیب سا بوجھل پن یکایک دور ہو چلا تھا۔ یوں جیسے بے تحاشا حبس کے بعد موسم اچانک کھل سا گیا ہو۔ اس کے نارمل رد عمل نے جہاں ان کے درمیان ہر طرح کی

تلخیوں کو ختم کر ڈالا تھا' وہیں زائر پہ محبت اور سچائی کی طاقت بھی واضح کر ڈالی تھی۔ جو بنا اس کی کسی شعوری کوشش کے رشنا سے اپنا آپ منوانے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اس نے سچے دل سے اپنی محبت کا قرض اتارنا چاہا تھا' اور محبت نے آگے بڑھ کر اس کا دامن خوشیوں سے بھر ڈالا تھا۔

آنے والے ڈیڑھ ماہ میں زائر کو اس کی زندگی کی سب سے خوبصورت خبر ملی تھی۔ رشنا کی جانب سے اس خوش خبری نے سب کے ساتھ ساتھ مہرین کے دل کو بھی گہرے سکون سے ہمکنار کر دیا تھا۔ اسے شدت سے اسی خبر کا تو انتظار تھا۔ جبکہ دوسری جانب رشنا بھی جیسے ایک فیصلے پہ پہنچ کر مطمئن ہو چلی تھی۔

"زائر!"

"ہوں....."

"مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔" صوفے پر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"جی فرمایئے' میں سن رہا ہوں۔" وہ ہاتھ میں پکڑے ریموٹ سے ٹی۔ وی کا والیم کم کرتے ہوئے بولا تھا۔

"زائر میں چاہتی ہوں کہ آپ مہرین کو گھر واپس لے آئیں۔" وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے بولی تو زائر ایک لمحے کو اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔ جہاں سوائے خلوص کے دوسرا کوئی تاثر نہ تھا۔

"چاہتا تو میں بھی یہی ہوں' لیکن....." وہ اک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ اب وہ اسے کیا بتاتا کہ اس کے مسلسل اصرار کے باوجود مہرین فی الحال گھر واپس آنے کے لیے تیار نہ تھی۔ رشنا جیسے از خود ساری بات سمجھ گئی تھی۔

"وہ مان جائیں گی۔ آپ کوشش تو کریں۔ ویسے بھی میری خواہش ہے کہ جس دن کے لیے انہوں نے اتنی بڑی قربانی دی ہے۔ وہ دن جب آئے تو وہ یہاں ہم سب کے ساتھ موجود ہوں۔ میں اپنی زندگی مکمل کر کے انہیں ادھورا رہنے کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔" وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوئی تو زائر ایک پل کو اپنی آنکھیں جھپکنا بھول گیا۔

عورت کی وسعت' نرمی اور صبر کا یہ کون سا مقام تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ ہاں لیکن ایک بات تو طے تھی کہ مرد اگر چاہے بھی' تو اپنی تمام تر طاقت کے باوجود' اپنے ضبط اور حوصلے کا اس درجہ امتحان نہیں دے سکتا تھا' جتنا کے بظاہر یہ نازک' لیکن درحقیقت بے حد مضبوط' صنف دینے کی ہمت رکھتی تھی۔

"ہوں..... تم ٹھیک کہتی ہو۔ اسے واقعی اس دن کا بہت شدت سے انتظار تھا۔ وہ نا صرف تمہیں مزید تکلیفوں سے بچانا چاہتی تھی۔ بلکہ تمہارے توسط سے میرے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کی محرومی بھی دور کرنا چاہتی تھی۔" زائر نے دھیمے لہجے میں مہرین کے جذبات سے رشنا کو آگاہ کیا

"پھر تو مجھے یقین ہے کہ وہ اب کسی طور انکار نہ کر پائیں گی۔ آپ بس انہیں لانے والی بات کریں۔" وہ خوشدلی سے بولی تو اس کی جانب تکتے زائر کے لیے ایک بار پھر اپنی حیرت پر قابو پانا مشکل ہونے لگا تھا۔

"آپ اگر میری جانب سے کسی ہچکچاہٹ کا شکار ہیں تو بے فکر رہیے۔ کیونکہ مہرین کی ذات کبھی بھی میرے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں رہی۔ یا یوں کہیے کہ ہماری محرومیوں نے میرے اندر سے اجنبیت کے ہر احساس کو مٹا ڈالا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری بات سن کر آپ کو حیرت ہو رہی ہو' لیکن ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو انسانوں کو ان کی خوشیاں نہیں بلکہ ان کے درد' ان کی محرومیاں ایک کرنے کا باعث بن جاتی ہیں۔ اور غم کے یہ رشتے خوشیوں سے زیادہ مضبوط' زیادہ پر خلوص ہوتے ہیں' کیونکہ یہ تب وجود میں آتے ہیں' جب آپ اپنے خالی ہاتھوں سے کسی دوسرے تہی دامن شخص کو سہارا دینا چاہتے ہیں۔ بس کچھ یہی عجیب و غریب اور ناممکن سا نتیجہ میں اپنے اور مہرین کے درمیان بھی محسوس کرتی ہوں۔" اس کے چہرے پر نگاہ جمائے وہ رسان سے بولتی چلی گئی تو حیرت زدہ سے زائر کے لبوں پر ستائش مسکراہٹ کی صورت آن ٹھہری تھی۔

"ل آئی ایم ریئلی امپریسڈ اینڈ تھینک فل ٹو

تھینک فل فار واٹ؟" رشنا نے بھنویں اچکائی

گوئنگ می دا آنر آف ہوئنگ ٹو بریلینٹ' ینگ لی فل لیڈیز ایٹ آ ٹائم!" وہ شرارت سے بولا تو مصنوعی خفگی سے اسے گھورتے ہوئے بازو پر اکشن کھینچ مارا تھا۔

☼ ☼ ☼

م جانتی ہو کہ رشنا کی طبیعت آج کل ٹھیک نہیں زائر نے مہرین کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔ وہ آج روٹین کے "ہمدانی ہاؤس" آیا ہوا تھا۔ چونکہ عصمت بیگم صاحب کہیں ڈنر پر انوائیٹڈ تھے' سو ان دونوں وہ اس وقت گھر میں سوائے نوکروں کے اور کوئی تھا۔

ں..... میں جانتی ہوں۔" اپنا کپ لیے وہ اس ل بیٹھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

میرے خیال میں اب وہ وقت آگیا ہے۔ جب گھر چلنا چاہیے۔" اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ ے گویا ہوا تھا۔

صحیح کہہ رہے ہیں' لیکن میں ابھی....."

ے خیال میں مہرین تمہیں میری اولاد کی ی۔ جسے تم اپنے ہاتھوں سے پالنا چاہتی " زائر نے اس کی بات کا حوالہ دیتے ہوئے وں سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں نے تب غلط کی تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ کی اولاد کو پالنے ل بھی میرے اندر تھی اور آج بھی ہے۔" کائے وہ آہستگی سے بولی تو زائر بے اختیار تھا۔

آخر تم گھر چلنے کے لیے راضی کیوں نہیں "

"اس لیے کہ میں وہاں واپس جانا ہی نہیں چاہتی!" ہاتھ میں پکڑا کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے وہ واضح اور دوٹوک الفاظ میں بولی' تو زائر اسے بے یقین نگاہوں سے دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا؟"

"ہاں! کیونکہ جوائنٹ فیملی سسٹم کی نہ تو مجھے عادت ہے۔ اور نہ میں یوں بھیڑ' بکریوں کی طرح رہنا پسند کرتی ہوں۔ "احمد ولا" میں سب کے ساتھ رہنے کا میرا پہلے بھی کوئی ارادہ نہ تھا۔ اور اب تو یہ کسی طور ممکن نہیں رہا۔" اس کی پیشانی پہ لحظہ بہ لحظہ بڑھتی شکنوں کی پروا کیے بغیر وہ بنا کسی جھجک کے بولی تھی۔

"کیوں؟ اب یہ خاص طور پہ کیونکر ممکن نہیں رہا؟" بمشکل تمام اپنے اشتعال پہ قابو پاتے ہوئے' اس نے اپنی گہری نگاہیں مہرین کے جز بز ہوتے چہرے پر گاڑتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ جو کچھ سمجھ رہا تھا' اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

"کیونکہ... کیونکہ وہاں رشنا رہتی ہے۔" ایک لمحے کی لڑکھڑاہٹ کے بعد اس نے سپاٹ لہجے میں' زائر کے بدترین خدشے کی تصدیق کر ڈالی تھی۔ اور زائر کا دماغ جیسے کھول اٹھا تھا۔

"رشنا کو اپنی زندگی میں' میں نے فقط تمہاری مرضی' تمہاری ضد اور تمہاری خوشی سے داخل کیا تھا۔ پھر اب اس ساری بکواس کا مطلب پوچھ سکتا ہوں؟" ہاتھ میں پکڑا کپ سینٹرل ٹیبل پر پٹختے ہوئے اس نے اس قدر سرد لہجے میں پوچھا تھا کہ ایک لمحے کے لیے مہرین کو اپنی زبان خشک ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ لیکن اگلے ہی لمحے اپنے ماں' باپ کے گھر میں موجودگی کے احساس نے اس کے گرتے حوصلوں کو جیسے سنبھالا دیا تھا۔

"یہی کہ اب آپ اسے میری مرضی پہ طلاق بھی دیں گے۔" اس کی کھولتی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اتنی بڑی بات انتہائی نڈر انداز میں کہہ گئی تو زائر ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے!" بھنچی ہوئی مٹھیوں اور

سرخ چہرے کے ساتھ وہ اپنے ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔
"بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے صرف آنے والے بچے کا انتظار ہے۔ جس کے بعد میں ایک لمحہ بھی نہ آپ کو وہاں رہنے دوں گی اور نہ ہی رشنا کا وجود آپ کے قریب برداشت کروں گی۔" وہ بھی اٹھتے ہوئے تیزی سے بولی تھی۔
"بکواس بند کرو!" وہ غصے سے دھاڑا تھا۔
"یہ بکواس نہیں' حقیقت ہے۔ وہ حقیقت جسے مدنظر رکھتے ہوئے' میں نے آپ کو رشنا سے شادی کے لیے مجبور کیا تھا۔ آپ میری "پوزیسو" نیچر سے باخوبی واقف ہیں۔ پھر آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ جس کے لیے کسی غیر کا خون لے کر پالنا ممکن نہیں۔ وہ اپنا شوہر اتنی آسانی سے کسی دوسری عورت کے ساتھ شیئر کرلے گی؟ نہیں زائر منصور' قطعاً" نہیں! میں آپ کی اور اپنی زندگی مکمل کرنے کے لیے اس کانٹوں بھری راہ پہ چلی ہوں۔ جس کی منزل اگر مجھے حسب منشا نہ ملی تو میں خود کو برباد کروں گی ہی لیکن آپ کی خوشیوں کو بھی ادھورا کرکے دم لوں گی!" مہرین دوبدو چلائی تھی اور زائر کے لیے اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین کرنا ناممکن ہو چلا تھا۔ سن ہوتے دماغ کے ساتھ اس نے بے یقین نگاہوں سے اپنے مقابل کھڑے وجود کی جانب دیکھا تھا' جس کا ہر لفظ زہر میں بجھے تیر سا تھا۔ جنہوں نے محض چند سیکنڈ میں ہی نا صرف اس کے مان' بھروسے اور یقین کو موت کی نیند سلا دیا تھا' بلکہ خود مہرین کے چہرے کو بھی بہت سیاہ' بہت کریہہ بنا ڈالا تھا۔
"مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ سب میں نے تمہارے منہ سے سنا ہے۔ تم شاید جانتی نہیں ہو کہ اس تھوڑی سی دیر میں تم نے مجھے کس قدر اذیت اور کتنے بڑے نقصان سے دوچار کر ڈالا ہے۔ میں نے تمہیں بہت اونچائی پر بٹھا رکھا تھا مہرین' مگر تم نے نا صرف میرا رشتوں پہ قائم اعتبار بکھیر ڈالا ہے بلکہ مجھے یوں اپنوں سے دغابازی پر اکسا کر مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔ بولو مہرین تم نے یہ سب کیوں کیا؟ کیوں کیا تم نے ایسا' جواب دو؟" اسے دونوں کندھوں سے بری طرح جھنجوڑتے ہوئے وہ جیسے دکھ کی انتہاؤں پر تھا۔
"پلیز مہرین! یہ فضول کی ضد چھوڑو اور میرے ساتھ گھر چلو۔ وہاں رشنا سمیت سب تمہارے منتظر ہیں۔ میرا وعدہ ہے' آج جو کچھ ہم نے کہا سنا' اس کا ذکر پھر ہمارے درمیان کبھی نہ ہوگا۔ میں ہر بات بھلانے کو تیار ہوں۔ پلیز مہو! ہماری زندگی مکمل ہونے کو ہے۔ اسے نئی آزمائشوں سے دوچار مت کرو۔" اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے زائر کے ہاتھ نرمی سے اس کے ہاتھوں پر آن ٹھہرے تھے۔ جبکہ چہرے اور لہجے میں یکایک لجاجت آسمائی تھی۔
"میں بھی آپ سے یہی کہنا چاہتی ہوں زائر' ہماری زندگی مکمل ہونے کو ہے۔ اور اس میں رشنا کی کہیں بھی کوئی جگہ نہیں بنتی!" اسے نرم پڑتا دیکھ مہرین نے رسان سے قائل کرنا چاہا تھا۔
"کس قدر خودغرض' سفاک اور بے حس عورت ہو تم۔ اپنا مطلب نکال لینے کے بعد اب تمہاری سو کالڈ مکمل زندگی میں رشنا کی کوئی جگہ نہیں بنتی! تمہیں یہ سب کہتے ہوئے ذرا خوفِ خدا محسوس نہیں ہوا مہرین!" تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہ ایک بار پھر چلا اٹھا تھا۔
"آپ میری محبت..."
"محبت لفظ کا مطلب بھی جانتی ہو تم؟ تمہارے اندر محبت نہیں' جنون بھرا ہے۔ جسے صحیح اور غلط کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ جو صرف لینا جانتا ہے دینا نہیں۔ اور اگر تم نے اپنے اس جنون کے بل بوتے پر یہ سوچ رکھا تھا کہ تم جب بھی چاہو گی میں رشنا کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاؤں گا' تو میں اسے تمہاری خام خیالی کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ تیز لہجے میں بولا' تو اپنے جذبات کی اس درجہ توہین پہ مہرین تلملا اٹھی تھی۔ اور اس میں اس زبان سے بات نکلتی چلی گئی تھی' جسے وہ اب تک صرف چھپائے ہوئے تھی یا جس کا ذکر اس نے صرف اپنے مما

سے کر رکھا تھا۔
"چلیں میرے اس جنون کے بل بوتے پر نہ سہی' لیکن اپنی اس انویسٹمنٹ کے بل بوتے پر تو چھوڑیں گے جو آپ نے پاپا کی کمپنی میں کر رکھی ہے!" اس کا اشارہ زائر کی اس تمام تر سیونگ کی جانب تھا' جو اس نے مہرین کے ہی کہنے پر آج سے ڈیڑھ دو سال پیشتر اس کے وقار ہمدانی کی نئی کمپنی میں لگائی تھی' جب انہیں ایک مخلص اور مضبوط پارٹنر کی ضرورت تھی۔
"ناؤ آئی گیٹ دا کلیو! تو یہ تمہارا اور تمہارے پیرنٹس کا گیم پلان تھا۔ جبھی تمہارے ماں' باپ اتنی آسانی سے تمہاری بات مان گئے تھے۔ آئی کانٹ بلیو اٹ! مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ سازشی سوچ میری بیوی کی ہو سکتی ہے۔ اس بیوی کی جس کی ذات کی کمزوری بھی مجھے اس سے دور نہ کرپائی تھی۔ جو ادھوری ہو کر بھی میرے لیے مکمل تھی' باعث فخر تھی۔" بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے وہ جیسے ٹوٹ سا گیا تھا۔
"لیکن۔ لیکن اب نہیں۔ اگر' اگر میری زندگی میں تمہاری کوئی گنجائش نکل بھی آتی ہے' تب بھی میرے دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ کوئی احساس باقی نہیں رہا!" دکھ کا احساس کچھ اس شدت سے زائر کے پورے وجود سے مترشح تھا کہ اس ساری بحث میں مہرین کو پہلی بار اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔ لیکن جوش میں تیر کمان سے نکل چکا تھا۔
اسے معلوم تھا کہ وہ جب بھی زائر سے رشنا سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں بات کرے گی' اس کا رد عمل شدید ہی ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک فیئر بندہ تھا۔ رشتے' ناتے' فرائض وہ ہر چیز کو ایمانداری سے نبھانے کا قائل تھا۔ لیکن اب وہ اسے اپنی غلط فہمی کہتی یا خوش فہمی کہ اسے اس بات پر یقین نہ سہی' لیکن اندیشہ تو تھا ہی کہ زائر کبھی بھی رشنا کی محض چند ماہ کی دوستی کی رفاقت کو اس کی ساڑھے چار سالہ رفاقت پر فوقیت نہ دے گا۔ اس پر مستزاد وقار صاحب کے ساتھ اس کی پارٹنر شپ کہ جس میں وہ اپنی اب تک کی تمام تر سیونگز لگا چکا تھا' اس کے ہر طرح کے ابہام مٹا ڈالنے کے لیے کافی تھی۔ لیکن زائر کا رد عمل اس درجہ شدید ہوگا کہ وہ اس کی کسی بھی "وجہ" کو سرے سے جائز ماننے سے ہی انکاری ہو جائے گا۔ اس بارے میں تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔
"زائر پلیز! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش تو کریں۔ میرا خدانخواستہ یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ میں آپ کو کوئی بلیک میل..." مہرین نے گھبرا کر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا' جسے ایک جھٹکے سے چھڑاتے ہوئے وہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ اور مہرین اپنی بات بھول کر بے یقینی سے زائر کا چہرہ تکنے لگی تھی۔ اس انسان کا جس کے لیے مہرین کی خوشی' اس کی مرضی ہمیشہ مقدم رہی تھی۔ مگر آج اس پل وہاں سوائے اجنبیت اور بے گانگی کے' اسے اپنے لیے اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔
"میں نے تمہیں جتنا سمجھنا تھا' سمجھ چکا اور تم نے میری محبت' میرے اعتبار اور میری ذات کو جتنا بے توقیر کرنا تھا کرلیا۔ اب اس سے زیادہ کچھ سمجھنے اور سہنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔" جھک کر صوفے پر پڑا کوٹ اٹھاتے ہوئے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازے کی جانب بڑھا تھا۔ اور مہرین کو لگا تھا گویا وہ اپنی جلد بازی میں اسے ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھی ہے۔ یکایک اسے اپنے سامنے کا منظر دھندلا پڑتا محسوس ہوا تھا۔
"کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ بات یاد رکھیے گا کہ میں نے یہ سب' خود سے زیادہ آپ کی زندگی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے کیا تھا۔ میری یہ قربانی' یہ دکھ اور یہ تنہائی قرض ہے آپ پہ۔ جسے میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں۔" دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی چلی گئی تھی۔ اور اس کی جانب پشت کیے کھڑا زائر اسی خاموشی سے دہلیز پار کر گیا تھا' جس خاموشی سے اس نے مہرین کی بات سنی تھی۔

☆ ☆ ☆

تین دن ہونے کو آئے تھے اور زائر کو اب تک

اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ مہرین یوں بھی سوچ سکتی ہے' اس کا دل اس قدر بے رحم اور خود غرض بھی ہو سکتا ہے' زائر کا دماغ سوچ سوچ کر ماؤف ہو چلا تھا۔ لیکن حیرت اور دکھ تھا کہ ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

امی' بابا' رشنا' گھر والے وہ کسی سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہ رہا تھا۔ جو ہر روز مہرین کی واپسی کا ذکر چھیڑے بیٹھے تھے۔ بلکہ وہ تو شاید خود سے بھی نظریں ملانے کے لائق نہ رہا تھا۔ ایک عجیب سا احساسِ جرم اس کی راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد کیے ہوئے تھا۔ جس کے زیرِ اثر وہ خود کو مہرین کے ساتھ اس دھوکا دہی میں برابر کا شریک محسوس کر رہا تھا۔

آخر کو اس کے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ثبوت بھی کیا تھا۔ اگر یہ بات کھل جاتی تو کون تھا جو یہ ماننے کے لیے تیار ہوتا کہ وہ اس ساری پلاننگ سے لاعلم تھا' بے قصور تھا! وہ کیا کہہ کر سب کو اپنا یقین دلاتا۔ امی' بابا' بی جان اور رشنا!

رشنا کا اعتبار خلوص اور محبت تو وہ شاید ساری زندگی کے لیے کھو بیٹھتا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اس سارے قصے میں وہ نہ تین میں تھا اور نہ تیرہ میں' لیکن نقصان ہر لحاظ سے سب سے زیادہ اس ہی کی ذات کا ہونے والا تھا۔ اور یہ اسے کسی طور منظور نہ تھا۔

مہرین کی یہ ضد ان تینوں کے علاوہ نہ جانے کتنی زندگیوں کو تباہی اور بے سکونی سے ہمکنار کر سکتی تھی۔ سو ان سب کے ساتھ ساتھ خود مہرین کی بہتری بھی اس بے جا خواہش سے دستبرداری میں ہی تھی۔

اس دن تو شاید شاک اور غصے کے باعث وہ اسے صحیح طریقے سے سمجھا نہیں سکا تھا۔ لیکن آج وہ ایک بار پھر نہایت تحمل اور پیار سے اس پہ اس بے تکی ضد کا اچھا' برا ہر پہلو واضح کرنے کے خیال سے "ہمدانی ہاؤس" چلا آیا تھا۔ جہاں اس کی توقع کے برعکس خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا۔

"سب کہاں گئے ہیں نواز؟" لاؤنج میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے ملازم سے پوچھا تھا۔

"صاحب جی! بڑے صاحب تو فیکٹری گئے
جبکہ بیگم صاحبہ اور چھوٹی بی بی پرسوں صبح اسلام
چلی گئی ہیں جی۔" اس نے مودب انداز میں
زائر ایک لمحے کو حیرت زدہ سا رہ گیا۔

مہرین نے اس سے اجازت لینا تو دور بتانا تک
نہ کیا تھا۔ اور وہ سوچ بیٹھا تھا کہ اسے اپنے
شرمندگی ہوگی۔

خود سری اور ہٹ دھرمی کے اس مظاہرے پر
دماغ کھول اٹھا تھا۔ جبکہ ملازم کے سامنے اپنی لاعلمی
بے اختیار ہتک کا احساس اس کا چہرہ سرخ کر گیا تھا۔

"صاحب جی! چھوٹی بی بی جانے سے پہلے آپ
لیے ایک لفافہ دے گئی تھیں۔" اس کے
تیوروں پہ نگاہ ڈالتے ہوئے نواز نے سہمے سے انداز
نئی اطلاع دی تو اس درجہ تماشے پہ زائر کا دل چاہا تھا
وہ اڑ کر مہرین کے سر پہ جا پہنچے' اور اس کا منہ گھما کر
دے۔ جسے نہ اپنی عزت کا کوئی خیال تھا اور نہ ہی
کی عزت کی پروا رہی تھی۔

جوس کا گلاس اس کے سامنے سینٹرل ٹیبل پر
ہوئے وہ سفید لفافہ اس کے ہاتھ میں تھماتا خاموشی
سے لاؤنج سے نکل گیا' تو زائر بے اختیار اک تنفر
نگاہ ہاتھ میں پکڑے لفافے پر ڈالتے ہوئے اس
موجود پرچے کو نکال کر پڑھنے لگا۔

"مائی ڈیئر زائر"

میں آپ کو بتائے بغیر اسلام آباد جا رہی ہوں
کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں
آپ مجھے سمجھانے آئیں گے۔ جبکہ میں کچھ
نہیں چاہتی۔ آپ پر میں اپنی ہر بات واضح کر چکی ہوں
اور اب صرف آپ کی جانب سے اقرار سننے کی خواہش
مند ہوں۔ میں نے اپنی طبیعت کے خلاف خود پر
دل اور اپنی محبت پر بہت جبر اور صبر کیا۔ صرف اس
کہ آپ کی زندگی کی اس کمی کو پورا کر سکوں' جسے
کرنے کی صلاحیت سے قدرت نے نہ جانے کس
کی سزا میں مجھے محروم کر چھوڑا ہے۔

اپنی اس محرومی کے بدلے میں مجھے کس آزمائش سے

گزرنا پڑا ہے' یہ میں جانتی ہوں یا میرا وہ دل جو اپنی
پسندی کے ہاتھوں بے حد مجبور ہے۔ اس نے
پہلے کبھی سمجھوتا کیا ہے اور نہ اب کسی صورت
آپ کی ذات اور اپنی محبت شیئر کرنے کے لیے آمادہ
ہے۔ سو آپ سے یہی التجا ہے کہ میری اس محبت اور
میرے اس پاگل دل کو مزید مت آزمائیں۔ یہ آپ
کے باجی نہیں پائیں گے۔

میری یہ قربانی آپ پر قرض ہے۔ وہ قرض' جس کا
اظہار میں آپ سے بہت پہلے کر چکی تھی۔ اپنے اس
قرض کے بدلے میں مجھے ہر حال میں صرف "میرا"
زائر واپس چاہیے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو میں
آپ سے خود خلع لیتے ہوئے علیحدگی اختیار کر لوں
گی۔ مجھے کسی صورت "بٹا" ہوا زائر منصور قبول
نہیں! یہ بات آپ بھی اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنے
گھر والوں اور سو کالڈ وائف کو بھی جتنی جلد ہو سکے
سمجھا دیں!

فقط آپ کی منتظر۔۔۔

"مہرین زائر"

بھینچے ہوئے لبوں کے ساتھ زائر ایک ٹک ہاتھ میں
پکڑے کاغذ کے اس ٹکڑے کو تکے جا رہا تھا۔ جو
سوائے "میں" کی گردان کے اور کچھ نہ تھا۔ اس نے
اس خط میں لکھا تھا کہ وہ اس سے شدید محبت کرتی
ہے۔ یہ بھلا کیسی محبت تھی جو اب تک "میں" کے
حصار میں قید تھی؟ جو اپنے محبوب کے گلے میں
رسوائیوں کے طوق ڈالنے کی خواہش مند تھی۔ اور
اس کے دل پہ از خود ہجر کی بات کرتے ہوئے ہاتھ نہ پڑا
نہیں' یہ جو کچھ بھی تھا۔ کم از کم محبت کسی صورت
نہ تھی۔

پچھلے چار دنوں سے' اس نے مہرین کی کہی ہر ناجائز
تکلیف دہ بات کا بوجھ تنہا اپنی ذات پر جھیلا تھا۔
یہاں تک کہ اس نے رشنا سے بھی کچھ نہ کہا تھا۔ جو نہ
جانے کتنی بار اس سے پوچھ چکی تھی۔ صرف اس لیے
کہ مہرین کی عزت اس کی عزت تھی۔ وہ اس بات کا
ذکر اپنے ماں' باپ رشنا سے کر کے اسے ان کی نظروں

میں گرانا نہیں چاہتا تھا۔ اور ایک وہ تھی جو بظاہر تو اس سے دیوانگی کی حد تک محبت کی دعوے دار تھی' لیکن در حقیقت اسے اپنی اس شدید محبت میں کورٹ تک گھسیٹنے کی دھمکیاں دینے پر اتر آئی تھی۔ جس کے نزدیک صرف اپنی ذات اور اپنے جذبات اہم تھے۔ باقی زائر کی عزت' اس کی زندگی اور اس زندگی سے منسلک رشتوں کی اس کے نزدیک ذرا ــــ بھی اہمیت نہ تھی۔

ان چار دنوں میں زائر نے اس کے ہاتھوں بہت تکلیف اٹھائی تھی۔ لیکن پھر بھی محض اپنے گھر کو بچانے کی خاطر وہ اس کی بہت سی تلخ باتوں کو بھلائے ایک بار پھر یہاں تک چلا آیا تھا۔ لیکن اس خط نے اب اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ گہری سانس لیتے ہوئے وہ ہاتھ میں پکڑا کاغذ کوٹ کی جیب میں رکھتا' اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور اگلے ہی پل لمبے لمبے ڈگ بھرتا "ہمدانی ہاؤس" سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ یوں اچانک اسلام آباد کیوں جا رہے ہیں؟" اس کی پیکنگ میں مصروف رشنا نے سوٹ کیس پر سے سر اٹھاتے ہوئے زائر کی جانب دیکھا تھا' جو موبائل پر نمبر ملا رہا تھا۔

"ایک ضروری کام ہے۔" فون کان سے ہٹاتے ہوئے وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے مہرین سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی اس کی کال ڈسکنیکٹ کر دی گئی تھی۔

"زائر! آپ اتنے دنوں سے مجھ سے کیا بات چھپا رہے ہیں؟" اس کے ناقابلِ فہم تاثرات سے سجے چہرے پر کھوجتی نگاہیں جمائے رشنا آہستگی سے اس کے پاس آ بیٹھی تھی جو بے اختیار چونک اٹھا تھا۔

چند ہی ماہ میں وہ اس کی اس درجہ مزاج آشنا ہو چلی تھی کہ دل کا حال چہرے سے پڑھنے لگی تھی' خاصی حیرت کی بات تھی۔ جبکہ وہ جس کے ساتھ اس نے ساڑھے چار سال کا عرصہ گزارا تھا' کتنی بے نیازی سے

اس کی ہر اذیت سے نظریں چرائے اس کے امتحان کا سامان کیے بیٹھے تھی۔

"میں بھلا تم سے کوئی بات کیوں چھپانے لگا۔" نظریں چراتے ہوئے اس نے رشنا کو ٹالنا چاہا تھا۔

"نہیں کوئی بات تو ضرور ہے۔ جس نے آپ کو بے انتہا پریشان کر رکھا ہے۔ حتیٰ کہ آپ کی بھوک، پیاس، نیند ہر چیز بری طرح سے ڈسٹرب ہو چکی ہے۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنی بات پر قائم تھی۔

"ہوں... ہے ایک اہم بات، لیکن میں فی الحال اسے ڈسکس نہیں کرنا چاہتا۔" مزید آنا کانی ممکن نہ رہی تو وہ بوجھل سانس فضا کے سپرد کرتے بظاہر نارمل لہجے میں گویا ہوا تھا۔ جبکہ رشنا بے اختیار پریشان ہو گئی تھی۔

"زائر! کوئی بہت سیریس میٹر تو نہیں ہے نا؟" اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے اس نے فق چہرے کے ساتھ پوچھا تھا۔

"سیریس ہے، لیکن بہت نہیں!" اس کی حالت کے پیش نظر اس نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

"آر یو شیور؟"

"آف کورس! اب اٹھو اور فٹافٹ میری پیکنگ مکمل کرو۔" اس کا دھیان بٹانے کو وہ خود بھی اس کے ساتھ اٹھ کر مدد کروانے لگا تھا۔

سوٹ کیس اٹھائے وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"دعا کرنا اللہ میری مدد فرمائے!" اس کے چہرے پر نگاہ جمائے وہ آہستگی سے بولا تو رشنا کے اندر ایک عجیب سی بے چینی سر اٹھانے لگی۔

"زائر! آپ۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اس کا بازو تھامے رشنا گھبراہٹ میں شاید بے تکا سوال پوچھ بیٹھی تھی۔ لیکن وہ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"کسی کا قرض اتارنے!"

"قرض، کس کا قرض؟" الجھن اور اضطراب اس کی آنکھوں سے ہویدا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا!" اس کی آنکھوں سے نظریں چرائے وہ بنا کوئی جواب دیے جھک کر اس کی پیشانی چومتا تیزی سے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ جبکہ پیچھے حیران پریشان سی رشنا وہیں دہلیز پر کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"زائر آپ۔" اسے لاؤنج کے دروازے میں کھڑا دیکھ کر مہرین حیرت اور خوشی کا ملا جلا تاثر چہرے پہ سجائے، تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی۔

"مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے۔ آپ کا سامان کہاں ہے؟" اپنی خوشی میں وہ اس کے سپاٹ تاثرات پر غور ہی نہ کر پائی تھی۔ اور زائر جو اس کے چہرے پر گھبراہٹ، ندامت جیسے رنگ دیکھنے کی امید کیے بیٹھا تھا۔ اس کے بالکل نارمل انداز پہ سختی سے اپنے لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔ اسے زندگی میں پہلی بار اپنے سامنے کھڑے وجود سے بے پناہ نفرت محسوس ہوئی تھی۔

"زائر! میں کیا پوچھ رہی ہوں؟" اس کی مسلسل خاموشی پہ وہ پہلی بار چونکی تھی۔

"ہوٹل میں۔" وہ چلتے ہوئے صوفے پر آ بیٹھا تھا۔

"ہوٹل میں؟ لیکن کیوں۔" اور جواباً" زائر نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا وہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

"اچھا آپ کھانا کھائیں گے یا چائے لیں..." خود پہ قابو پاتے ہوئے اس نے کہنا چاہا تھا۔ لیکن زائر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا تھا۔

"یوں آنا کانی سے کام لے کر تم کب تک مجھ سے بھاگنا چاہتی ہو؟" سرد نگاہوں سے اسے تکتے ہوئے اس نے دو ٹوک الفاظ میں پوچھا تو مہرین ایک لمحے کو گھبرا گئی۔ لیکن اگلے ہی پل وہ بنا کسی ہچکچاہٹ یا شرمندگی کے اس کے مقابل آ بیٹھی تھی۔

"میں کیوں بھلا آپ سے بھاگنے لگی۔ میں نے کوئی جرم، کوئی چوری تو نہیں کی!" کندھوں کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے وہ اپنی سابقہ ہٹ دھرمی سے گویا ہوئی تھی۔

"تو میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔ تم آج بھی اپنی ڈھٹائی اور ضد پر اسی بے حسی سے قائم ہو۔ تمہیں اپنے کیے اور اپنے کہے پر کسی قسم کی کوئی شرمندگی، کوئی ندامت نہیں۔" وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"بالکل نہیں۔" بنا نظریں چرائے نڈر انداز میں اس کا جواب موصول ہوا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ تمہیں کون سی خوش فہمی ہے یا تم کس کی غلط شے پر اکڑ رہی ہو۔ لیکن میں ایک بات ضرور جانتا ہوں کہ تم نے میرے ضبط، میرے حوصلے کا جتنا امتحان لینا تھا، لے چکیں۔ اب تم اپنے کیے کی خود ذمہ دار ہو گی۔ یا تمہارے وہ ماں، باپ جن کے ساتھ مل کر تم مجھے الٹے سیدھے طریقوں سے کبھی بلیک میل اور کبھی پریشرائز کرنے پہ تلی بیٹھی ہو۔ لیکن میری یہ بات یاد رکھنا مہرین! کہ جس گھر کو بنانے میں انسان کی پوری زندگی گزر جاتی ہے اس ہی گھر کو اجاڑنے کے لیے نفرت، ہٹ دھرمی اور بے حسی سے بھرا ایک لمحہ بھی بہت ہوتا ہے۔" اس کے چہرے پر نظریں جمائے وہ بہت ضبط سے گویا ہوا تھا۔

"بسے ہوئے گھر سے اجڑا ہوا گھر بہت بہتر ہوتا ہے۔" وہ اتنی بڑی بات انتہائی بے خوفی اور دلیری سے کہہ گئی تو ایک لمحے کو زائر بھونچکا سا رہ گیا۔

کیا کوئی عورت اپنے منہ سے اپنے شوہر کے سامنے اس درجہ جرأت کا مظاہرہ کر سکتی ہے؟ لیکن شاید ایک خودسر، ضدی اور انا پرست عورت کے لیے سب کچھ ممکن ہے، سوائے ایک سمجھوتے کے۔ جبکہ گھروں کی بنیاد ہی محبت، درگزر، صبر اور سمجھوتے پر رکھی جاتی ہے۔

"کتنا بہتر ہوتا ہے، یہ تمہیں بہت جلد پتا چل جائے گا مہرین! جب اپنی جنت سے نکل کر تم زمین پر آؤ گی۔ اور تب شاید اللہ بھی تمہاری توبہ قبول نہ کرے گا۔" کھولتے دماغ کے ساتھ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور تبھی اس کی نگاہ دروازے میں کھڑی عصمت بیگم پر پڑی تھی۔ جنہیں مکمل طور پہ نظرانداز کیے اس نے ایک بار پھر مہرین کی جانب دیکھا تھا۔ جس کا ایک ہی جملہ زائر کے ضبط کی طنابیں کھینچ لے گیا تھا۔

"تم نے اپنا گھر اپنے ہاتھوں سے تقسیم کیا تھا۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں۔ اس عورت کا بھی نہیں، جسے تم نے اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا ہے۔ اور جو تمہاری اس خود غرضی کو تمہاری قربانی سمجھتے ہوئے تمہیں انتہائی عظیم سمجھے بیٹھی ہے۔ جو اپنی اور تمہاری محرومی کے بل بولتے پر خود کو تمہارے ساتھ کھڑا محسوس کرتی ہے۔ تبھی ہر لمحہ تمہاری واپسی کی منتظر ہے۔ اور تم، تم مجھے اس کے وجود، اس کے اعتبار کی دھجیاں بکھیرنے کو کہہ رہی ہو۔ یہ کہہ رہی ہو کہ میں اس عورت کو نا صرف زندہ درگور کر دوں، بلکہ اس سے اس کا بچہ چھین کر قہر خداوندی کو آواز دے ڈالوں۔ اور وہ بھی کس کے لیے؟ تمہارے لیے؟ اس عورت کے لیے جو اپنے شوہر کو کورٹ تک گھسیٹنے کے لیے تیار ہے۔ جس کے دل میں کسی کے لیے محبت، اپنائیت اور رحم تو دور کی بات شاید خوفِ خدا تک نہیں۔ اور جو نا صرف سفاک اور خود غرض ہے، بلکہ انتہا کی احسان فراموش بھی۔"

"میں...؟ میں احسان فراموش ہوں یا تم زائر منصور، جس نے میرے احسان اور قربانی کو بھلا ڈالا۔" طیش کے عالم میں وہ اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔

"قربانی کو بھلا ڈالا یا پلان کو بکھیر ڈالا۔" اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ طنزیہ لہجے میں بولا تھا۔

"اپنی مکاری کو قربانی کا نام مت دو۔ اور تم کیا کسی پر احسان کرو گی، جسے احسان لفظ کا مطلب بھی نہیں پتا۔ بلکہ تم تو شاید محبت کے صحیح مفہوم سے بھی نا آشنا ہو۔ تبھی تمہیں نہ میری محبت کی قدر کرنا آئی اور نہ میرے گھر والوں کی۔

میرے ماں، باپ تمہارے گھر کے چکر کاٹتے رہے مہرین، لیکن نہ تمہیں شرم آئی اور نہ تمہارے ماں، باپ کو احساس ہوا۔ جو شاید بزنس میں مجھے اپنا پارٹنر بنا کر اپنے تئیں خرید چکے ہیں۔ لیکن میں آج ان کی

اور تمہاری یہی غلط فہمی دور کرنے آیا ہوں۔" اس نے جھک کر صوفے پر پڑی فائل اٹھاتے ہوئے سینٹرل ٹیبل پر پٹخی تھی۔

"یہ رہے میرے شیئرز کے لیگل ڈاکومنٹس جو میں نے تمہارے نام کردیے ہیں۔" اس کی حیران آنکھوں میں تکتے ہوئے وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

"اب میری ذات پر تمہارا کوئی قرض باقی نہیں رہا۔"

"کیسے نہیں رہا۔ وہ تمہاری بیوی ہے کوئی مذاق نہیں۔" مہرین کو گم سم سا کھڑا دیکھ کر عصمت بیگم لپک کر اندر آئی تھیں۔ بساط کے جس مہرے کے سہارے ان کی بیٹی اپنی فتح تصور کیے بیٹھی تھی۔ وہ انجانے میں ہی سہی لیکن بڑے زوروں سے پٹ گیا تھا۔

"آپ کو بڑی جلدی یاد آگیا کہ یہ میری بیوی ہے۔ ناجائز باتوں پہ اس کی ہمت بندھاتے اور الٹے سیدھے طریقوں سے اس کی مدد کرتے ہوئے تو آپ کو یہ خیال نہ آیا۔" وہ تنفر سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے بولا' تو عصمت بیگم ایک لمحے کو سٹپٹا گئیں۔ لیکن اگلے ہی پل خود پہ قابو پاتے ہوئے بولیں۔

"ہم نے جو مناسب سمجھا وہ کیا۔ اور اب بھی جو میری بیٹی کہے گی' وہ ہی ہوگا۔" وہ گردن اکڑائے ہوئے بولی تھیں۔

"مہرین میں آخری مرتبہ تم سے پوچھ رہا ہوں۔ میرے ساتھ واپس چلوگی کہ نہیں؟" انہیں نظرانداز کیے وہ بڑے ضبط سے مہرین سے مخاطب ہوا تھا۔ اس خیال کے زیر اثر کہ تمام تر شیئرز کی مہرین کے نام منتقلی نے نا صرف اس کی عقل ٹھکانے لگادی ہوگی۔ بلکہ اس پہ' زائر کے نزدیک دولت کی اہمیت بھی واضح کرڈالی ہوگی۔

"نہیں! نہ ابھی اور نہ آئندہ کبھی۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اپنا حصہ میرے نام کرکے تم نے مجھے ہرادیا ہے تو یہ تمہاری بہت بڑی غلط فہمی ہے زائر منصور۔ تم نے یہ حرکت کرکے مجھے ڈی گریڈ کیا ہے۔ مجھ پہ اپنی برتری ثابت کرکے مجھے یہ جتایا ہے کہ میں چاہے کچھ بھی کرلوں' ہوگا وہی جو تم چاہو گے۔ لیکن میں تمہارا زعم توڑ کر دم لوں گی۔ تمہیں یہ بتا کر رہوں گی کہ مہرین ہمدانی کون ہے؟"

کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ ... کے بل چلائی تھی۔ اور زائر لب بھینچ کر اپنے سامنے سرکشی کی انتہاؤں پہ کھڑی' اس ڈھیٹ اور خود سر عورت کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"تو تم مہرین ہمدانی ہو؟" اس کے برعکس زائر کا ... اور تاثرات دونوں برف کی طرح سرد تھے۔

"ہاں! میں مہرین ہمدانی ہی ہوں۔" سینے پر بازو باندھے وہ غرور سے بولی تھی۔

"ٹھیک! اب تم ہمیشہ مہرین ہمدانی ہی رہو گی اور آپ اب ساری زندگی وہ کرتے ہوئے گزاریے گا جو آپ کی بیٹی کہے گی۔ کیونکہ میں زائر منصور' مہرین ہمدانی تمہیں باہوش و حواس تین مرتبہ طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں۔" لفظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ مہرین کی ساری اکڑ' ساری ہٹ دھرمی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

عالم بے یقینی میں اس نے ماں کی جانب دیکھا تھا' جو چیخیں مارتی ہوئی' لاؤنج کا دروازہ عبور کرتے زائر کو کوس رہی تھیں۔ لیکن پھر بھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ... تھا۔ خالی نگاہوں سے اس نے ایک بار پھر زمین پر سر پکڑ کر روتی ماں کو دیکھا تھا اور تبھی کوئی چبھتا ہوا احساس بڑی تیزی سے سنسناتے دماغ میں سرایت کر... محسوس ہوا تھا۔ اور اگلے ہی لمحے گھر کے در و دیوار اس کی دلخراش چیخوں سے گونج اٹھے تھے۔

☆ ☆ ☆

"مبارک ہو! آپ کا بیٹا پیدا ہوا ہے۔" ڈاکٹر پریشان سے زائر کو مسکرا کر اطلاع دیتی آگے بڑھ گئی تھی اور کوریڈور میں موجود تمام افراد کے چہرے جیسے کھل اٹھے تھے۔ بے اختیار ایک دوسرے کو گلے لگا کر مبارک باد دیتے وہ سب بے انتہا خوش تھے۔

اپنے اردگرد بکھری اس خوشی کو دل کی گہرائیوں سے ...تے ہوئے زائر نے ان سب کے چہروں پر ...الی تھی' جہاں آج نہ جانے کتنے دنوں بعد ... مسرت نے اپنے رنگ بکھیرے تھے۔ وگرنہ ...والے واقعے نے جوان سب کے لیے ایک بہت ...اچانک شاک ثابت ہوا تھا' "حمد ولا" کے ہر ... کو ناصرف نڈھال کرڈالا تھا۔ بلکہ زائر کے لیے' ...ونے کے باوجود' ان سب کے سامنے اپنے عمل ...ابت کرنا بھی انتہائی دشوار بنادیا تھا۔

...بیگم نے تو کتنا عرصہ اس سے بات نہ کی تھی۔ ...ساری حقیقت حال جان لینے کے بعد عجیب ...سی ہو چلی تھی۔ اس حادثے نے تو اسے جیسے ...کر رکھ دیا تھا۔ انسانیت' خدا ترسی اور نیکی پر سے اس کا اعتبار ڈگمگا گیا تھا۔ وہیں زائر کی کھری اور ...نیت نے اسے مکمل طور پر بے یقین ہونے ...چالیا تھا۔ جس کے لیے وہ اپنے اللہ کی شکر گزار ...جس نے اسے ایک ایسا شریک سفر عطا کیا تھا' جو ...اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو بھی پوری ...داری سے نبھانے کا قائل تھا۔

...س نے رشنا کو روم میں شفٹ کرنے کی اطلاع ...ایک طمانیت بھری مسکان لبوں پر سجائے وہ سب ...ساتھ اندر چلا آیا تھا۔ جہاں چہرے پر کھنڈتی زردی ...ود وہ ممتا کا نور لیے زائر کو اپنے دل کے بے پناہ ...محسوس ہوئی تھی۔

"...تھینک یو۔" ان دونوں کو تنہائی دینے کے خیال ...تھوڑی دیر بعد سب قصداً ادھر ادھر ہوگئے تو ...ہوں میں نمی لیے زائر نے بے اختیار جھک کر اس ...کی پیشانی چوم لی تھی۔ جس کی اپنی آنکھیں ...محبت پہ چپکے سے بھیگ چلی تھیں۔

"...بھئی اپنے بیٹے کا دیدار کرو۔" دروازے پر ... نعیمہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے' نرم ملائم ...وں میں لپٹا گل گوتھنا سا وجود زائر کی بانہوں میں ...اک عجیب کومل سا احساس اسے اپنی روح میں ...وس ہوا تھا۔ جس کے زیر اثر اس نے اگلے ہی ...حاط نرمی سے گہری نیند سوئے اپنے لاڈلے کی پیشانی چومتے ہوئے اسے آہستگی سے خود میں سمولیا تھا۔

اگلے ہی پل اس کی تمام تر احتیاط کے باوجود وہ ننھا سا وجود بے اختیار کسمسایا تھا۔ اور اس نے جھٹ اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا' جو اپنی نیند ڈسٹرب کیے جانے پر برے برے منہ بناتا رونے کی تیاری میں تھا۔

بے اختیار مسکراتے ہوئے وہ اپنے نک چڑھے صاحب زادے کو اس کی ماں کے حوالے کرتا خود اپنی ماں کے پاس جا کھڑا ہوا تھا' جو مسکراتے ہوئے بہو اور پوتے کے لاڈ اٹھانے میں مصروف تھیں۔

سینے پر بازو باندھتے ہوئے اس نے دلچسپی سے اس منظر کو دیکھا تھا۔ جہاں اس پل زندگی اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ مکمل کھڑی نظر آرہی تھی۔ لیکن اگلے ہی لمحے جیسے کسی خیال نے اس کے لبوں پر بکھری آسودہ مسکراہٹ کو پھیکا کرتے ہوئے اسے اک بوجھل سانس لینے پر مجبور کردیا تھا۔

زندگی کی اس رعنائی' اس خوشی میں اس کا بھی برابر کا حصہ ہوسکتا تھا۔ اگر جو وہ اک ذرا اپنے ظرف کو موقع دیتی۔ بالکل اسی طرح جس طرح رشنا نے دیا تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے' جو دوسروں کے لیے اپنا دامن اور قلب وسیع رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم بھی وسعت اختیار کرجاتا ہے۔ جس کی ضرورت ہمیں اس جہان میں بھی ہے اور اس جہان میں بھی!

لیکن انسان ٹھہرا سدا کا جلد باز اور خسارے کا سودا کرنے والا! مہرین ہمدانی بھی اپنے ہاتھوں اپنے مقدر میں اندھیرے رقم کر بیٹھی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک ساری زندگی کی کسک ملال زائر کے نصیب میں بھی لکھ گئی تھی۔ جو کب تک اس کی خوشیوں اور مسکراہٹوں کے رنگوں کو یونہی پھیکا کرنے والی تھی' اسے معلوم نہ تھا۔

☆ ☆ ☆